الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارک پور

انوارِ حافظ ملت نمبر

مدیر مبارک حسین مصباحی
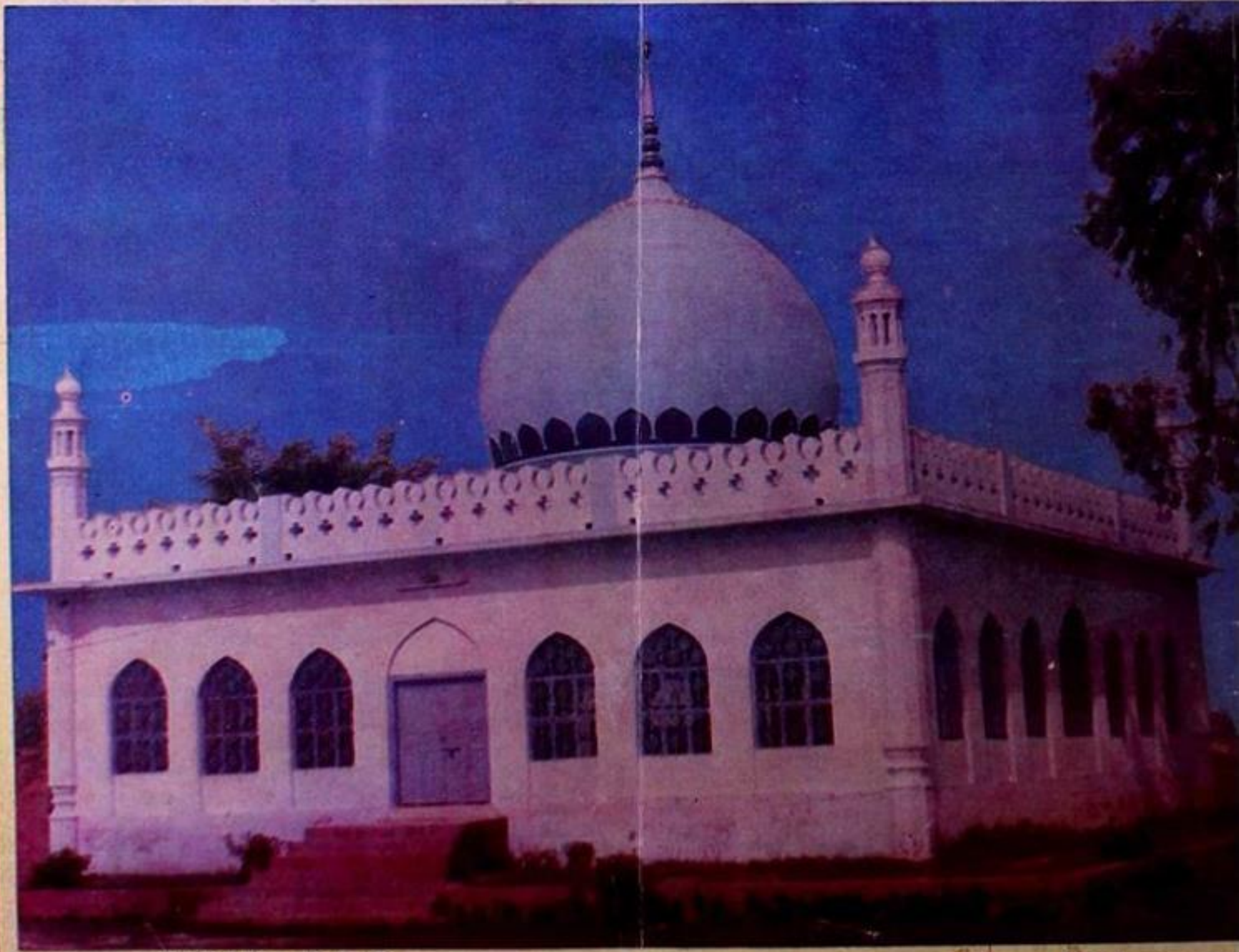
الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی علمی اور روحانی اخلاقی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور

انوارِ حافظ ملت نمبر

جمادی الاولیٰ/جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۱۳ھ | جلد نمبر ۱۷ | شمارہ نمبر ۱۱/۱۲ | نومبر/دسمبر سنہ ۱۹۹۲ء

بیادگار حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز قدس سرہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

زیر سرپرستی: عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

قیمت فی شمارہ ۵ روپے ۰ سالانہ ۵۰/ روپے
لائف ممبر ——— ۱۱۰۰/ روپے
نیپال بنگلہ دیش سے ——— ۵۰/ روپے
سالانہ بیرونی ممالک سے ——— ۲۵۰/ روپے
اس شمارہ کی قیمت ۔ ۱۰/ روپے
مبارکپور ایس۔ ٹی۔ ڈی ۰۵۴۶۷۷
الجامعۃ الاشرفیہ، فون ۴۱۴۸
آفس ماہنامہ اشرفیہ: فون ۴۱۴۹

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ
مینجر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ یوپی
پن کوڈ نمبر ۲۷۶۴۰۴

ایڈیٹر پرنٹر، پبلشر محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

شعائیں

عنوان		مضمون نگار	صفحہ	تا
اداریہ		مبارک حسین مصباحی	۳	۸
حافظ ملت	ایک جہان محاسن و کمالات	مولانا محمد احمد مصباحی	۹	۱۸
حافظ ملت	اور الجامعۃ الاشرفیہ	علامہ ارشد القادری مصباحی	۱۹	۲۱
حافظ ملت	میرے محسن میرے مہرباں	مولانا بدر القادری مصباحی	۲۲	۲۹
حافظ ملت	اور تعمیر انسانیت	مولانا نصر اللہ خاں مصباحی	۳۰	۳۱
حافظ ملت	ایک مشعل راہ	ڈاکٹر دیوناتھ چترویدی	۳۲	
حافظ ملت	تاریخ ساز شخصیت	مولانا نسیم بستوی	۳۳	۳۶
حافظ ملت	تعلیمی ماحول میں	مولانا محمد احمد مصباحی	۳۷	۴۳
حافظ ملت	عظیم شخصیت کے چند خاطر نواز پہلو	مبارک حسین مصباحی	۴۴	۵۰
حافظ ملت	ایک جامع کمالات شخصیت	مولانا محمد حنیف رضوی	۵۱	۵۸
حافظ ملت	ایک تقویٰ شعار شخصیت	مولانا ایاز احمد مصباحی	۵۹	۶۳
حافظ ملت	کا اخلاص	الحاج عبد الحکیم عزیزی	۶۴	۶۵
حافظ ملت	کچھ یادیں کچھ باتیں	حکیم محمد یوسف عزیزی	۶۶	۷۱
حافظ ملت	ملت کے غم خوار	مولانا خورشید الاسلام مصباحی	۷۲	۷۵
حافظ ملت	ایک انقلاب آفریں شخصیت	شمشاد احمد اعظمی	۷۶	۷۹
حافظ ملت	ایک عظیم شخصیت	یعقوب اختر فیضی	۸۰	۸۳
حافظ ملت	اور خدمت دین	غلام محمد بستوی	۸۴	۸۵
حافظ ملت	کے تلمیذ قاری مصلح الدین صاحب	مولانا بدر القادری مصباحی	۸۶	۹۱
حافظ ملت	کے بیکل	مبارک حسین مصباحی	۹۲	۱۰۰
علامہ ارشد القادری	کا بیان	ادارہ	۱۰۱	۱۰۲
مدیر کی ڈاک		ادارہ	۱۰۳	۱۰۶
خیر و خبر		ادارہ	۱۰۷	۱۱۴

مناقب حافظ ملت

شاعر	صفحہ
بیکل اتساہی عزیزی	صفحہ ۳۶
	″ ۵۰
کامل حافظی بنارسی	″ ۵۰
بدر اشرفی محمد آبادی	″ ۱۰۲
اشہر حمیدی فیض آبادی	″ ۱۱۱

مبارک حسین مصباحی

اداریہ

عزیزیات ایک جائزہ

روش دہر کا ہر نقش پکارے گا مجھے
یہ نہ سمجھو کہ مجھی تک مرا افسانہ ہے

حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ متوفی ۱۹۷۶ء بیسویں صدی عیسوی کی یگانۂ روزگار اور جامع صفات شخصیت تھے۔ آپ نے مومنانہ فکر و بصیرت اور خلوص و للہیت کے ساتھ ملت کی صلاح و فلاح، اسلام و سنیت کے تحفظ و بقا اور دینی علم و تہذیب کے فروغ و ارتقا کے جو تاریخ ساز گرانقدر کارنامے انجام دیئے ہیں وہ دلوں کے افق پر ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ جنھیں نظرانداز کر کے آپ کے عہد کی علمی، دینی اور ثقافتی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔

آپ کی حیات و خدمات اور محاسن و کمالات پر ارباب شعر و ادب اور اہل دین و دانش نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن شخصیت کے پیش نظر ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کام ہو رہا ہے۔ اور انشاءاللہ ہوتا رہے گا۔ آپ نے شخصیت سازی کے لئے علم و ادب کی جو تربیت گاہ قائم کی ہے اس کے پروردہ بیشتر افراد کے ہاتھوں میں قلم ہے۔ وہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے مسلسل لکھ رہے ہیں۔ اپنے محسن و مربی کو کیسے فراموش کریں گے؟ ڈاکٹر شاہد رضا نعیمی لندن فرماتے ہیں۔ مجھے بعض لوگ برابر مصباحیوں سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر جب بنظر غائر جائزہ لیا تو صرف مصباحیوں ہی کو کام کا پایا۔ سید وجاہت رسول صاحب قادری نائب صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے جب امام احمد رضا سیمینار لکھنؤ میں پہلی بار ملاقات ہوئی۔ تو برجستہ فرمایا. ماشاءاللہ مصباحیوں کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے خدا نظر بد سے بچائے بڑے کام کے لوگ ہیں۔

حضور حافظ ملت پر اب تک جو کام ہو چکا ہے اس کا جائزہ اور جو برق رفتاری کے ساتھ ہو رہا ہے اس کی پر شوق داستان ذیل میں پڑھئے:

اب تک جن ماہانہ رسائل نے حافظ ملت پر نمبر یا خصوصی شمارے نکالے ان کی دستیاب تفصیل یہ ہے:

۱ــــ حافظ ملت نمبر ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف ماہ مئی جون ۱۹۸۷ء
۲ــــ حافظ ملت نمبر ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف ماہ ر ۱۹ء
۳ــــ حافظ ملت پر خصوصی شمارہ ماہنامہ حجاز جدید نئی دہلی ماہ جنوری ۱۹۸۹ء
۴ــــ حافظ ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور ماہ جون جولائی اگست ۱۹۷۰ء

ماہنامہ اشرفیہ کا حافظ ملت نمبر حضرت کی حیات و خدمات پر عظیم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسالہ سائز کے پونے چھ سو صفحات پر مشتمل یہ ضخیم نمبر سابق مدیر حضرت مولانا بدر القادری صاحب مصباحی کا خاص کارنامہ اور حضور حافظ ملت پر لکھنے والوں کے لئے ایک اہم ماخذ ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ نے سترہ برس کی مدت اشاعت میں متعدد خصوصی شمارے بھی جاری کئے ہیں جن میں سے بعض بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

اب ذیل میں عزیزیات پر شائع ہونے والی کتابوں کا بھی مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیے:

۱ــــ **اوراق گل**: یہ ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل بارگاہ حافظ ملت میں منظوم خراج عقیدت کا بیش بہا مرقع ہے۔ اس میں ہندوستان کے مشاہیر شعراء کا کلام شامل ہے جسے ایک سخن سنج اور کہنہ مشق شاعر حضرت مولانا اسلم بستوی مصباحی صاحب نے بڑے ریاض اور کمال فن سے مرتب فرمایا ہے۔ مجموعہ کے آغاز میں حیات حافظ ملت پر مرتب موصوف کے فکر انگیز قلم سے بعنوان "احساسات" ایک نثری تقدیم ہے اور اس سے قبل "دو لفظ" کا نثر شہ پارہ شاعر اسلام حضرت بیکل اتساہی نے رقم فرمایا ہے۔ سرنوشت دو اشعار سے اس مجموعہ کا بڑا جامع تعارف ہو جاتا ہے۔

افسانہ الم کو حدیث غم نہاں
ان سے بچھڑ کے ہم پہ جو گزری ہے کہیں۔
یہ بارگاہ حافظ ملت کی نذر کو۔
ہیں پیش کچھ درق "جنہیں" اوراق گل کہیں۔

اس مجموعہ کو بزم عزیزیہ امجدیہ بلرام پور گونڈہ نے بڑے سلیقے سے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا ہے۔

۲ــــ **حافظ ملت**: چھوٹے سائز کے ۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے وصال کے بعد کا آنکھوں دیکھا حال بڑے رقت انگیز پیرایۂ بیان میں سپرد قلم فرمایا ہے۔

آخر میں تقریبات جلسوں کی رپورٹ اور اہل علم و دانش اور عمائدین ملت کے تاثرات بھی جمع کر دیئے ہیں۔ اس کے مصنف حضرت مولانا محمد احمد مصباحی مبارکپوری ہیں اور فکر انگیز تقدیم حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی نے رقم فرمائی ہے۔ ناشر حق اکیڈمی مبارکپور ۱۹۷۶ء

۳ـــ فیضان حافظ ملت۔ ناشر اعجاز بکڈپو ہوڑہ۔ حافظ ملت کا یہ سوانحی خاکہ چھوٹے سائز کے ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف حضرت مولانا غلام مصطفیٰ کوثر امجدی علیہ الرحمہ ہیں۔ اس میں حیات حافظ ملت کے تعلق سے کچھ ایسے احوال بھی درج ہیں جن کے شاہد خود مصنف ہیں یہی اس کتاب کی امتیازی خصوصیت ہے زبان میں ادبیت اور دلکشی ہے۔ جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ ازہری میاں صاحب نے اپنی تقریظ جلیل سے بھی سرفراز کیا ہے جس سے اس کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تقریظ ذیل میں پڑھیے:

> حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب کوثر امجدی قادری کی کتاب کا کچھ حصہ جابجا سے سنا۔ یہ کتاب حضرت حافظ ملت قدس سرہ العزیز کے تجہیز و تکفین کے آنکھوں دیکھے حال اور ان کی حیات طیبہ کے واقعات طیبات پر مشتمل ہے میرا دل چاہتا تھا کہ ایسی کتاب منظر عام پر آجائے جو حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ قبلہ کی سوانح طیبہ پر مشتمل ہو تاکہ لوگ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ سے متعارف و مستفیض ہوں۔
>
> اللہ تعالیٰ مولانا المحترم کو جزائے خیر دے۔ انھوں نے یہ کام کیا اور خوب انجام دیا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلم
>
> فقیر اختر رضا خان ازہری القادری الرضوی۔
>
> نزیل کلکتہ ۱۱ر شعبان ۱۳۹۶ھ ۸ر اگست ۱۹۷۶ء

۴ـــ حافظ ملت میری نظر میں:۔ یہ کتاب الحاج محمد حسین صاحب مبارکپوری نے ترتیب دی ہے۔ جنھوں نے اپنے لاشوری کے عالم سے عہد کہولت تک ایک پڑوسی کی نگاہ سے ہر موڑ پر حافظ ملت کو دیکھا اور بغور دیکھا۔ گویا کہ یہ ایک پڑوسی کی کہانی پڑوسی کی زبانی ہے۔ روزمرہ کی زبان میں بڑی پرتاثیر تحریر ہے کہیں کہیں تو ہاتھوں سے ضبط کا دامن چھوٹ جاتا ہے اور بے اختیار آنکھوں سے اشک چھلک پڑتے ہیں۔ بلاشبہ ایک انسان اپنے ہمسایہ کے شام وسحر اور معمولات حیات کا جتنی گہرائی سے جائزہ لے سکتا ہے۔ کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔ اکبر الہ آبادی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ ؎

اکبر کی برائی اچھائی پوچھ ان کے محلے والوں سے
اشعار تو اچھا کہتے ہیں دیوان تو ان کا دیکھا ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا بدر القادری مصباحی نے کتاب پر نظر ثانی اور اس کی ترتیب جدید کے فرائض بڑی سلیقہ مندی اور خوبصورتی سے انجام دیئے ہیں جس سے اس کتاب کی اہمیت دوبالا ہو گئی ہے۔

کتاب کے آغاز میں حضرت عزیز ملت صاحب قبلہ نے "کلمات خیر" سپرد قلم فرمائے ہیں۔ شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی نے اپنی "رائے گرامی" سے نوازا ہے۔ کتاب کا فکر انگیز تعارف محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری نے فرمایا ہے۔ اور پھر حضرت مولانا بدر القادری صاحب مصباحی نے "چند باتیں" رقم فرمائی ہیں۔ جو بہت سی باتوں پر بھاری ہیں۔

کتاب کے آخر میں مکتوبات حافظ ملت بنام حاجی محمد حسین اور متعدد شعراء کا منظوم خراج عقیدت بھی شامل ہے سائز ۱۸x۲۲ صفحات ۶۰، ناشر مصنف۔

۵ ــــ حافظ ملت کا سفر حج:۔ حافظ ملت کے بلا فوٹو سفر حج و زیارت کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ عزیمت و تقویٰ کے جس بلند پایہ منصب پر آپ فائز تھے ڈھونڈھنے سے بھی اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ اس سفر کے احوال و مشاہدات کو آپ نے خود ہی قلم بند فرمایا تھا۔ آپ کے دبستان حیات میں اس سفر کو ایک روشن باب کی حیثیت حاصل ہے۔ حافظ ملت کے اس خود نوشت سفرنامۂ حجاز کو گرانقدر اضافوں کے ساتھ عظیم خطیب و ادیب حضرت مولانا اسلم بستوی مصباحی نے بڑی خوش اسلوبی سے مرتب فرمایا ہے۔ عاشق پر سوز کی یہ داستان سفر بڑی کیف آگیں عشق انگیز اور روح پرور ہے۔ دلکش پیرایہ بیان میں ایک ایک سطر عشق و عرفان میں ڈوبی ہوئی ہے۔

ابتدائی ۴۰ صفحات میں مرتب موصوف نے مسائل حج و زیارت بھی تحریر فرمائے ہیں اور تقریظ حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب نے لکھی ہے۔ ایک سو بارہ صفحات پر مشتمل یہ دوآتشہ جام بعنوان "آداب حج و زیارت" انجمن رفقائے اسلام بلرامپور گونڈا نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اشاعت ۱۹۸۹ء میں ہوئی ہے۔

۶ ــــ تعلیمات حافظ ملت:۔ یہ مقالہ حضرت مولانا سید شاہد علی رضوی رامپوری نے حافظ ملت سیمنار منعقدہ ۱۹۸۹ء کے لئے ترتیب دیا تھا۔ جو دراصل حافظ ملت کے ملفوظات و تصانیف سے منتخب تعلیمات و ارشادات کا گرانقدر مرقع ہے۔ یہ بلاشبہ مرتب کی دیدہ ریزی، تلاش و تحقیق اور حسن ترتیب کا عظیم کارنامہ ہے۔ موصوف نے اس کا تاریخی عنوان

"چراغ راہ" تخریج کیا ہے۔ اس مقالے کو پہلے میں نے "حافظ ملت افکار اور کارنامے" میں شامل اشاعت کر لیا تھا۔ اور پھر ایک مستقل کتابچہ کی شکل میں طلبا الجامعۃ الاسلامیہ رامپور نے شائع کیا۔ یہ مختصر سا کتابچہ طالبان ہدایت کے لئے بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔

۷ــــ حافظ ملت اور انکی خدمات: تالیف حضرت مولانا محمد عبد السمیع صدیقی مصباحی۔ موصوف نے ۳۲ر صفحات کے اس کتابچہ میں حافظ ملت کے مختلف ادوار حیات اور ان کے حیات آفریں کارناموں پر بڑی جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے زبان میں پختگی اور سادگی ہے۔ انجمن فیض الرسول جوگیشوری ویسٹ بمبئی ۱۰۲ نے اسے شائع کیا ہے۔

مذکورہ رسائل وکتب کے سوا حافظ ملت کی تحریک اشرفیہ پر لکھی جانے والی کتب بھی آپ کی خدمات شناسی کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱ــــ اشرفیہ کا ماضی اور حال ــــ از مولانا بدر القادری مصباحی
۲ــــ ایک تاریخی مرقع ــــ از علامہ ارشد القادری مصباحی
۳ــــ الجامعۃ الاشرفیہ ــــ از علامہ ارشد القادری مصباحی
۴ــــ الجامعۃ الاشرفیہ تعریب ــــ از مولانا یٰسین اختر مصباحی
۵ــــ تعارف الجامعۃ الاشرفیہ سہ لسانی ــــ از ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی
۶ــــ مدرسہ اشرفیہ سے دار العلوم اشرفیہ تک ــــ از مفتی عبد المنان اعظمی مصباحی

۲۱ر نومبر ۱۹۸۹ء کو ادارہ تحقیقات حافظ ملت مبارکپور کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا بنیادی نشانہ حضرت حافظ ملت کی ہمہ گیر اور انقلابی شخصیت پر تحقیق کرنا، ان سے متعلق سنیوں کی یادوں کو سفینوں میں منتقل کرنا اور وسیع پیمانہ پر ان کی حیات وتحریک سے عالم اسلام کو روشناس کرانا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ جس روز سے یہ ادارہ قائم ہوا اپنے مقصد میں مصروف اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں رواں دواں ہے۔ مسلسل تین برس سے عرس عزیزی کے موقع پر ادارہ تحقیقات کے زیر اہتمام حافظ ملت سیمینار ہو رہا ہے۔ یہ خاموش انقلابی مہم اپنے مقصد میں بڑی مفید اور بار آور ثابت ہوئی۔ مقالہ نگاروں سے روابط اور یاد دہانی کے سلسلہ میں راقم کو بڑی جد وجہد کرنا پڑی مگر خوشی یہ ہے کہ ان سیمناروں میں حافظ ملت کی شخصیت پر اہلسنت کے اکابر علماء ومشائخ اور عظیم دانشوروں کے مقالات پڑھے جا چکے ہیں۔

حافظ ملت سیمنار ۱۹۸۹ء میں پیش آمدہ مقالات کا منتخب مجموعہ "حافظ ملت افکار اور کارنامے" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے اور ۱۹۹۰/۹۱ء کے سیمناروں میں جو اہم مقالات دستیاب ہوئے ان فکر انگیز، معلوماتی اور تازہ ترین مضامین کا منتخب حسین مرقع "انوار حافظ ملت" کے عنوان سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ادارہ تحقیقات حافظ ملت کے شکریہ کے ساتھ جس کی اشاعت کی سعادت ماہنامہ اشرفیہ نے حاصل کی ہے۔

حضور حافظ ملت کی شخصیت پر۔ یہ جو کام زیر قلم ہے اس کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱ —— فتاویٰ حافظ ملت —— ترتیب و تحقیق مبارک حسین مصباحی

۲ —— حافظ ملت اور تصوف —— از مبارک حسین مصباحی

۳ —— ملفوظات حافظ ملت —— از مولانا اختر حسین مصباحی

۴ —— مفصل سوانح حافظ ملت —— از مولانا بدر القادری مصباحی ہالینڈ

ہم بے پناہ مسرت و شادمانی کے ساتھ یہ خوش خبری دے رہے ہیں کہ حافظ ملت کی جامع اور مفصل سوانح حیات جس کا برسوں سے انتظار تھا۔ اس اہم کام کا آغاز حافظ ملت کے تلمیذ رشید اور شیدائی مفکر اسلام حضرت علامہ بدر القادری مصباحی فرما چکے ہیں۔ آپ کے قلم سے درجنوں کتابیں منظر عام پر آکر اہل علم و دانش سے خراج وصول کر چکی ہیں۔ زہرہ نگار اور صاحب طرز ادیب ہونے کے ساتھ بلند فکر اور انقلابی شاعر بھی ہیں بقول علامہ ارشد القادری

"مولانا بدر القادری کا میدان شعر و نظم ہی کا نہیں بلکہ وہ نثر کے بھی بادشاہ ہیں۔ شخص واحد میں نظم و نثر کی یکساں صلاحیت بڑی مشکل سے پیدا ہوتی ہے اور جہاں کہیں ہو جاتی ہے ایسے شخص کی تعبیر کے لئے "نادر روزگار" اور مجمع البحرین سے نیچے کا کوئی لفظ ہی لغت میں موجود نہیں"۔

راقم کے پاس حافظ ملت کے تعلق سے جتنا سرمایہ تھا موصوف کے پاس ارسال کر چکا ہوں۔ حافظ ملت کے تلامذہ متوسلین، معتقدین اور واقف کاروں سے بھی میری پر خلوص اور پرزور اپیل ہے کہ حافظ ملت سے متعلق جن کے پاس تحریر، تقریر یا ذہنی یادداشت کی شکل میں جو کچھ مواد ہے براہ کرم اس کی اصل یا فوٹو اسٹیٹ کاپی ماہنامہ اشرفیہ کے پتہ پر ارسال فرمادیں تاکہ موصوف کے پاس بھیجا جا سکے۔ واضح رہے کہ ہر مواد پورے حوالے کے ساتھ شامل کتاب کیا جائے گا۔ ؎

بہر صورت طلب لازم ہے آب زندگانی کی

حافظ ملت — ایک جہانِ کمالات و محاسن

محمد احمد مصباحی رکن المجمع الاسلامی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

میں اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ حافظ ملت جن بلند، راسخ اور بے تصنع کمالات و اخلاق کے جامع تھے۔ اس درجۂ رسوخ پر ان میں سے ایک کمال بھی کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ اسے آسمانِ قبول و عظمت کی رفعتوں تک پہونچانے کے لئے کافی ہوگا۔

● وہ ایک بلند پایہ عالم تھے۔ ایسے عالم جن کے علم و فضل کا چرچا ان کے دور طالب علمی ہی میں ہوا۔ مولینا فضل حق رامپوری جیسے متبحر، محقق اور مصنف علام نے درس نظامی کی منتہی و مشکل کتاب "امور عامہ" کے ایسے مقام کا امتحان لیا جو نہ شامل امتحان تھا اور نہ وہاں تک درس ہوا تھا۔ مگر جواب ایسا صحیح و درست اور اطمینان بخش پایا کہ فرما دیا:

اسی سے آپ کی ہر کتاب کا امتحان ہو گیا۔

● علم کے ساتھ استحضار علم کا کمال یہ تھا کہ مبارکپور کے ابتدائی زمانۂ تدریس میں جب کہ تیرہ کتابوں کا روزانہ درس دیتے اور دوسری دینی مصروفیات میں ہمہ تن مشغول رہتے۔ بعض ایام میں مطالعہ کا وقت بالکل نہ مل سکا۔ اور ترمذی شریف کا درس بلا مطالعہ جاری رہا۔ قاری اسد الحق صاحب جو بریلی شریف میں حافظ ملت کے ہم مدرسہ طالب علم رہ چکے تھے۔ مبارکپور میں حضرت سے ترمذی شریف پڑھ رہے تھے۔ کئی دنوں بعد حضرت نے فرمایا! مطالعہ کا وقت نہیں مل پاتا اور بلا مطالعہ پڑھا رہا ہوں۔ قاری اسد الحق صاحب حیران و ششدر رہ گئے۔ عرض کیا ہمیں تو اتنیا بھی نہ ہو سکا۔ اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں جو استحضار علم کی بین دلیل ہیں۔

● وہ عظیم مناظر تھے۔ ایسے مناظر کہ تمام درسی مصروفیات کے ساتھ ساڑھے چار ماہ تک شبانہ تقریریں جاری رکھیں اور احقاق حق اور ابطال باطل کا حق ادا کر دیا۔ واضح رہے کہ مناظرہ کے لئے صرف درسگاہی علم و مطالعہ کافی نہیں ہوتا اس کے لئے مختلف علوم و فنون کا وسیع مطالعہ، ان کا استحضار، کمال اظہار، حسنِ تفہیم، قوت استدلال سبھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور حافظ ملت کے اس مناظرہ سے ان سبھی کمالات کا ثبوت فراہم ہو گیا۔

● اسی کمال مناظرہ کا زندہ ثبوت "العذاب الشدید" ہے جو آج تک لاجواب ہے۔ حافظ ملت فرماتے تھے۔ اللہ کے عذاب کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟ "مقامع الحدید" منظر عام پر آنے کے بعد صرف ایک ہفتہ میں "العذاب الشدید" کا مسودہ مکمل ہو گیا۔ اس سے علم اور استحضار علم کا دونوں کا اندازہ کیجئے۔

● وہ شاندار خطیب تھے۔ ایسے خطیب کہ زمانۂ طالب علمی میں ہی ان کا دعویٰ تھا کہ کوئی بھی موضوع دیا جائے بغیر کسی تیاری کے فوراً اس موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کر سکتا ہوں۔ امتحان کے لئے ایک بار دعائے قنوت کو عنوان خطاب تجویز کیا گیا اور انھوں نے اپنی دعوے کی تصدیق مکمل طور پر فراہم کر دی۔

بڑی بڑی کانفرنسوں میں جہاں مقررین بولتے ہوئے سہمتے ہوں انھوں نے حیرت انگیز اور اثر آفریں تقریریں کیں۔ ان کی خطابت بھی عصر حاضر کے بعض مقررین کی طرح محض خطابت نہ تھی بلکہ الفاظ کے ساتھ معانی، بیان کے ساتھ علم و فکر اور شوکت خطابت کے ساتھ قوت استدلال کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھی نظر آتا۔ مواد کی فراوانی اس قدر ہوتی کہ بعض مقررین کہتے تھے کہ ہم ان کی ایک تقریر بغور سن لیتے ہیں اسی سے تین تقریریں بن جاتی ہیں۔ اور

کسی مطالعہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ نکات اتنے جامع اور فکر انگیز ہوتے کہ ماہر مقررین نے ان کے بعض نکات میں سے کسی ایک کو لیکر پوری تقریر تیار کرلی۔

● وہ باکمال مدرس تھے، اور تدریسی کمال پر ایسا عبور تھا کہ ایک بار مجھ سے فرمایا! ۔ دار العلوم اشرفیہ میں کسی وقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے تلمیذ شہیر ملک العلماء مولانا ظفر الدین احمد، بہاری علیہ الرحمۃ کو صدر مدرس کی حیثیت سے لانے کی تجویز ہوئی۔ احافظ ملت نے سنا تو فرمایا: بڑی خوشی ہے وہ تشریف لائیں۔ میں خادم ہوں خدمت کرتا رہوں گا۔ میں نے دس سال تک حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی کفش برداری کی ہے حضرت مولانا تشریف رکھیں گے اور میں ان کے سامنے درس دوں گا۔

ماہرین تدریس جانتے ہیں کہ یوں طلبہ کے سامنے تقریر و تفہیم آسان ہوتی ہے۔ لیکن کسی متبحر ماہر عالم کے سامنے کمزور علم والے کا آتا ہوا مضمون بھی غائب ہو جاتا ہے اور گرمی تقریر و تفہیم سرد ہو کر رہ جاتی ہے۔ مگر حافظ ملت اس میدان کے بھی باکمال شہسوار تھے۔

● میں نے صرف "بلند پایہ عالم" کہا۔ علم کی مختلف شاخوں کو لے لیجئے وہ بلند پایہ محدث، مفسر، مفتی، اصولی کلامی، منقولی سبھی کچھ تھے۔ اور ہر ایک کے شواہد موجود ہیں۔

● وہ عالم گر تھے ایسے عالم گر کہ آج برصغیر کی مشہور درسگاہوں کے اہم عہدوں پر ان کے تلامذہ جلوہ گر ہیں۔ وہ خطیب گر تھے اور ایسے خطیب گر کہ میدان خطابت میں ان کے تلامذہ کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ اسی طرح مناظرہ وافتاء، تصنیف و تحریر ہر شعبہ میں ان کی درسگاہ فیض کے تربیت یافتہ ماہرین ضوفشاں ہیں۔

● وہ صرف عالم ہی نہیں علم پر پورے طور سے عامل بھی تھے۔ ایسے عامل کہ فرائض و واجبات تو فرائض و واجبات ہیں جن آداب و مستحبات کو انھوں نے اپنا لیا تازیست ترک نہ ہونے دیا۔ افضل الاعمال أدومها پر کاربندی دیکھنا ہو تو کوئی حافظ ملت کی زندگی دیکھے۔

نماز تہجد کو اپنایا تو سفر میں بھی کبھی قضا نہ ہونے دیا ___ سو رکعت نماز نصف شعبان کو اپنایا تو زندگی کے آخری سال تک جاری رکھا۔ روایت میں اختلاف ہوا تو ۲۹ر اور ۳۰ر دونوں کے حساب سے دو دن بعد مغرب سو، سو رکعتیں ادا کیں۔ عمامہ سر پر باندھا تو سال دس سال نہیں زندگی بھر التزام رہا ___ سنن مؤکدہ وغیر مؤکدہ جن کا التزام کیا سفر میں بھی ترک نہ ہونے دیا حالاں کہ سفر میں جب قرار و عدم قرار کی حالت ہو، سنن مؤکدہ معاف ہیں ___ کسی جلسہ کا وعدہ کر لیا تو بیماری کے باوجود اس کی پابندی کی ___ علامہ ارشد القادری سے فیض العلوم کے سالانہ جلسۂ شب برات کا وعدہ کیا تو اسے تاحیات نبھایا۔ یہاں تک کہ دو سال تک داعی خود ہندوستان سے باہر برطانیہ میں۔ مگر حضرت جلسہ میں موجود اس طرح کے بے شمار واقعات حافظ ملت کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ اور اس پابندی کے ساتھ کا عقل دنگ ہے۔ مشاہدہ محو حیرت ہے ___ ایک واقعہ قاری عبد الحکیم صاحب عزیزی کے مضمون میں چڑیوں کو غذا رسانی کی پابندی سے متعلق پڑھا۔ اور حیران و ششدر رہ گیا۔

میں صفر ۱۳۹۲ھ میں مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں بریلی شریف میں بیعت ہوا۔ پابندی سے شجرہ خوانی کی تاکید تھی مگر کوشش کے باوجود کبھی کبھی مجھ سے ناغہ ہو جاتا تھا۔ میں حیرت سے سوچا کرتا تھا کہ کم مشاغل کے باوجود شجرہ پڑھنا مجھ سے چھوٹ جاتا ہے ہمارے پیران بزرگ جو دن رات کاموں اور متنوع لوگوں کے ہجوم میں رہتے ہیں کیسے پابندی کرتے ہوں گے؟ ___ شاید ان کے لئے کچھ رخصت ہو؟ ___ ۱۹ر صفر ۱۳۹۲ھ کو میں اور برادر گرامی مولانا عبد المبین نعمانی سلسلۂ قادریہ معمریہ میں داخل ہونے کے لئے حافظ ملت کے یہاں پرانے مدرسہ بعد ظہر حاضر ہوئے ___ اس سلسلہ میں طالب ہونے کا اشتیاق اس لئے تھا کہ حافظ ملت کے مرشد حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں علیہ الرحمۃ سے غوث پاک تک اس میں صرف چار واسطے ہیں۔ حضرت حافظ ملت نے ہمیں سلسلۂ معمریہ میں داخل کیا اور فرمایا کہ "شجرہ کی پابندی کرتے رہنا میں جب سے بیعت ہوا کبھی شجرہ خوانی کا ناغہ نہ ہوا" ___

اس ارشاد سے شجرہ خوانی کے بارے میں میرے مذکورہ بالا خیال کی تردید ہو گئی ___ اور حضرت کی پابندیِ

معمولات کا اور ایک نقش ذہن میں مرتسم ہوگیا —— مزید فرمایا کہ "بریلی شریف میں بھی یہ سلسلہ ہے مگر اس میں ایک واسطہ زیادہ ہو جاتا ہے۔" اس جملہ کا میرے مذکورہ خیال سے کوئی ربط نہ تھا اس لئے میں نے یہی سمجھا کہ ہماری معلومات میں اضافہ کے لئے اپنے سلسلہ کی مزید ایک خصوصیت بتادی ہے —— مگر باہر آنے کے بعد مولانا نعمانی صاحب نے بتایا کہ حضرت کے یہاں سلسلہ معمریہ میں داخل ہونے کے لئے آپ کے کہنے پر میں آگیا۔ لیکن بار بار مجھے یہ خیال آتا تھا کہ یہ سلسلہ بریلی شریف میں بھی ہے۔ اگر وہیں ہم لوگ اس سلسلے میں داخل ہوتے تو بہتر ہوتا کہ سلسلۂ بیعت اور سلسلۂ طلب دونوں ایک ہی جگہ سے منسلک رہتے لیکن حضرت نے جب یہ فرمایا کہ وہاں ایک واسطہ زیادہ ہو جاتا ہے تو میرا انقباض دور ہو گیا۔ اور خوشی ہوئی کہ اس طرح ایک واسطہ کم ہو گیا

میں نے خواطر پر کلام کرتے ہوئے حافظ ملت کو بارہا پایا۔ میں تو اسے فراست ایمانی اور روشن ضمیری ہی سمجھتا ہوں۔ کوئی چاہے تو محض حسن اتفاق بھی کہہ سکتا ہے۔ مجھے اس پر اصرار نہیں۔ اصل کرامت استقامت علی الشریعۃ ہے جو حافظ ملت میں بدرجۂ کمال موجود تھی۔

● مگر اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ وہ عظیم روحانیت کے حامل تھے اور متعلقین پران کا تصرف اور ان کی روحانی دستگیری دوریوں کے باوجود جاری رہتی تھی۔ خود مجھے ان کے وصال کے وقت تو کرب و غم کے سوا کچھ پتہ نہ چلا لیکن جب چالیس دن پورے ہوگئے تو اپنے اندر "انکرنا قلوبنا" کی کیفیت میں نے بیّن طور پر محسوس کی یہ ایک سچے نائب رسول عظیم صاحب روحانیت اور کریم دستگیر کے فیضان حیات سے محرومی کا کرشمہ تھا جو کشت زار دل کی پژمردگی کی صورت میں عیاں ہوا۔

شعبان ۹۵ھ میں حافظ ملت شب برات کے اجلاس میں شریک تھے۔ لوگوں نے فیض العلوم اور جمشید پور کی مختلف ضروریات ذکر کیں، اور عرض کیا کہ اب علامہ ارشد القادری کی طویل غیر موجودگی سے معاملات بگڑتے جارہے ہیں۔ حافظ ملت نے بڑی ہمدردی سے سنا اور فرمایا کہ میں ان کو لکھوں گا کہ واپس آجائیں۔ اجلاس کی تقریر میں بھی فرمایا کہ آپ لوگ پریشان نہ ہوں میں ان کو بہت جلد بلاؤں گا۔ وہ آئیں گے۔ میں اس سال مولانا فضل حق غازیپوری کی کچھ ضرورت سے تعطیل کے بعد ان کے مدرسہ دار القرآن میں مقیم رہا۔ غالبًا ان کی روداد مرتب کرنی تھی یا وہ فن فرائض کی مشق کر رہے تھے۔ چند دنوں بعد مولانا کے بڑے صاحبزادے غلام ربانی نے خبر دی کہ ابا کا ٹیلی گرام موصول ہوا ہے۔ وہ پرسوں برطانیہ سے یہاں واپس پہونچ رہے ہیں۔ علامہ ارشد القادری واپسی کے دو ماہ بعد ماہ شوال میں مبارکپور آئے اس موقع پر لال چوک کے پاس ایک جلسۂ عام میں بیان کیا کہ "حافظ ملت نے مجھے کوئی خط تو نہیں لکھا البتہ میرے دل پر تصرف کیا۔ مجھے شب برات کے بعد واپسی کی بے قراری ہو گئی۔ اہلیہ کی علالت کا ایک خط مجھے ملا تھا وہی میں نے سبب بتا کر لوگوں سے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا اور ویزا وغیرہ لے کر واپس آگیا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ۲۲؍ شعبان کو وہ جمشید پور پہونچ گئے۔

اس طرح کے بہت سے واقعات متعلقین کے ساتھ پیش آئے ہیں جو قلمبند ہو کر سامنے آئیں تو اس بات کی شہادت کے لئے کافی سے زیادہ ہوں گے کہ حافظ ملت عظیم روحانیت اور عظیم تصرفات کے مالک بھی تھے۔

● وہ بہترین مدبر تھے۔ ان کے ناخن تدبیر سے سیکڑوں مشکل مسائل کی گتھیاں سلجھیں۔

● وہ ایک دوراندیش اور معاملہ فہم منتظم تھے۔ جن کی دوراندیشی سے بہت سے معاملات کا حل اور بہت سے مسائل کا جواب پہلے ہی موجود ہوتا۔

● وہ عظیم قوت فیصلہ اور بے پناہ قوت ارادی کے مالک تھے۔ علمی مسائل ہوں یا انتظامی معاملات منٹوں اور سکنڈوں میں انہیں مستحکم فیصلے سناتے دیکھا گیا ہے۔ اور جو فیصلہ کر دیتے اس پر یوں قائم رہتے کہ بعض اوقات پوری بالادست انتظامیہ اور عوام کی کثیر جماعت بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا کرنے سے قاصر رہ جاتی۔ قوت ارادی کا حال یہ تھا کہ جس کام کا عزم کر لیتے اسے مکمل کر کے ہی دم لیتے۔ انھوں نے آندھیوں

کی زد پر چراغ جلائے، اور دنیا محو حیرت دیکھتی ہی رہی۔

ان کے حسن تدبیر، دور اندیشی معاملہ فہمی، سرعت فیصلہ اور قوت ارادہ کا اعتراف اپنوں نے بھی کیا غیروں نے بھی کیا —— ان عنوانات پر واقعات و شواہد بھی پیش کئے جا سکتے ہیں۔

● وہ عظیم سیاسی بصیرت اور ایمانی حکمت و قیادت میں بھی منفرد مقام رکھتے تھے۔ محدود ماحول میں تو اس کی بہت مثالیں ہیں —— ملکی پیمانہ پر ان کی فکر رسا کا اندازہ کرنے کے لئے ان کی کتاب "الارشاد" دیکھنا چاہیئے ——

● وہ ایک انقلاب آفریں اور عہد ساز شخصیت تھے اس کے ثبوت کے لئے مبارکپور کی سرزمین اور ہندوستان کا گوشہ گوشہ گواہ ہے —— انھوں نے علم و آگہی، دین و حکمت، قرطاس و قلم اور تحریک و تنظیم کی جو جوت جگائی ہے۔ آج چہار سو نظر آرہی ہے —— انھوں نے مبارکپور کے گمنام قصبہ سے عظمت دین اور اشاعت علوم کا جو صور پھونکا ہے۔ آج ہندوستان کے چپہ چپہ سے اس کی آواز بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ انھوں نے بوسیدہ چٹائی پر بیٹھ کر خدمت دین کی راہ میں ایثار و قربانی، اور استقلال و استقامت کا جو درس دیا ہے ان کے تلامذہ کے ذریعہ ملک و بیرون ملک مختلف تحریکوں، تنظیموں اور اداروں کی زندگی میں اسی درس کا فیضان آج بھی کارفرما ہے۔

● اب ان کے اخلاق کریمانہ کو دیکھئے علم و فن کی گہرائی، تحقیق و تدقیق کی گیرائی اور تعلیم و تدریس کی جولانی صرف اہل نظر کو متاثر کرتی ہے۔ لیکن اخلاق و مروت کی شمیم جانفزا ہر خاص و عام کے دل میں گھر کرتی ہے۔ اخلاق و کردار ہی وہ آئینہ ہے جس میں انسان کے باطن و ضمیر کا عکس بہت صاف دکھائی دیتا ہے۔ حافظ ملت ہمدردی و غمگساری تواضع و خاکساری، بلند ہمتی، و عالی ظرفی، چشم پوشی و رواداری، صاف دلی و قدر افزائی، سخاوت و فیاضی شجاعت و بردباری وغیرہ —— ہر وصف میں اس درجہ کمال پر فائز تھے کہ اس کمال کے ساتھ ایک وصف بھی کسی میں اتر آئے تو اسے امتیاز و اختصاص کے آسمان پر پہونچانے کے لئے کافی ہو —— میں یہاں چند اوصاف سے متعلق ذرا تفصیلی گفتگو کر رہا ہوں۔

انسان کے لئے ہمدردی و غمگساری

جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے نفع و ضرر اور راحت و الم کی فکر رکھے وہیں اس کا اخلاقی فریضہ ہے کہ دوسروں کا بھی خیال رکھے۔ اس کے بغیر اجتماعی و معاشرتی زندگی بے کیف بلکہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ آج تمام قومیں اس ضرورت کو محسوس کر رہی ہیں اور ہر چہار جانب یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ خود نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس پر کافی زور دیا اور انھوں نے جو معاشرہ تشکیل دیا اس میں یہ باتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ صحابہ کرام کے درمیان عقد مواخات اس نیک جذبۂ انسانی کا ایک ایسا منظر ہے جس کی مثال اقوام عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

آج بھی کسی نہ کسی حد تک باہمی ہمدردی کا جذبہ اہل اسلام اور دوسری اقوام کے اندر پایا جاتا ہے۔ لیکن عملی دنیا میں جس کے اندر اس جذبہ کا دائرہ جس قدر وسیع ہوگا اسی قدر اسے شرف و کمال اور امتیاز و افتخار حاصل ہوگا عموماً انسان اپنے قرابت داروں، دوستوں، تجارتی معاملت یا کسی صنعت و حرفت اور حاجت و ضرورت کے تحت تعلق رکھنے والوں کے دکھ سکھ میں حصہ لیتا ہے لیکن زیادہ باوقار اور باعظمت انسان وہ ہوتا ہے جس کا صاف و شفاف دل اور جس کا موثر و طاقتور ضمیر اسے بے غرض اور بے خود ہمدردی و غمگساری کے لئے آمادہ و تیار رکھتا ہو اور جو اپنوں کی طرح دوسروں کے لئے بھی سرگرم عمل نظر آتا ہو۔

حافظ ملت کی مثالی زندگی پر منصفانہ نظر رکھنے والے اگر سرسری طور سے بھی اپنے مشاہدات اور یادداشتوں کا جائزہ لیں تو اس وصف کے تعلق سے انھیں واقعات و شواہد اتنی وافر مقدار میں دستیاب ہوں گے جو اس گراں بہا صفت میں بھی حافظ ملت کے مقام عظمت و امتیاز کے اعتراف کے لئے کافی سے زیادہ ثابت ہوں گے۔

ہمدردی و غمگساری کا لفظ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے جس کے دامن میں متعدد اوصاف و اخلاق جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ بیماروں کی عیادت،

جنازوں میں شرکت، پسماندگان کی تعزیت، غریبوں کی امداد، کسی بھی آفت و مصیبت میں گرفتار ہونے والوں کی تسکینِ خاطر یا حسب وسعت اعانت و دستگیری یہ سب اسی ہمدردی و غمگساری کی شاخیں ہیں۔ آئیے حافظ ملت کی زندگی میں ہم ان سب پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔

عیادت:۔ حافظ ملت عوامی زندگی سے بہت قریب تھے اور لوگوں کے مرض والم سے باخبر ہونے میں انھیں زیادہ دیر نہیں لگتی تھی۔ لیکن زیادہ حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اگر کسی کی بیماری و پریشانی سے متعلق واسطہ در واسطہ بھی خبر مل جاتی یا بر سبیل تذکرہ بھی کسی کی بیماری سن لیتے تو کوئی نہ کوئی وقت نکال کر بہت جلد اس کی عیادت کو پہنچ جاتے۔ اس میں نہ کسی عالم و فاضل کی تخصیص تھی نہ کسی امیر و غریب کی، نہ مرید و شاگرد کی، نہ عزیز و رشتہ دار کی نہ عقیدت کیش و نیاز مند کی، اگر کچھ خصوصیت تھی تو ایسے افراد کی جو دین دار اور دین پرور ہوں۔ وہ ایسے بیماروں کے یہاں بھی چلے جاتے تھے جنھیں یہ توقع بھی نہ ہوتی کہ ہمارے گھر کو اس موقع سے کبھی حافظ ملت کی آمد کا شرف حاصل ہوگا۔ مبارکپور کی سرزمین سے تو ایسے بے شمار واقعات وابستہ ہیں۔ کاش وہ قید تحریر میں بھی آئیں۔ اطراف جوانب مثلاً خیرآباد، محمدآباد، بھیرہ، گھوسی اوری وغیرہ کے لوگوں سے بھی حسب اطلاع اسی قسم کا معاملہ تھا۔ اگر کہیں باہر تشریف لے گئے اور وہاں کسی مریض کو جان لیا تو اس کی عیادت کیلئے بھی اٹھ کھڑے ہوتے۔

ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ کی بات ہے۔ میں مدرسہ فیض العلوم جمشید پور میں تھا۔ مدرسے کے کچھ طلبہ شام کو ایک محلہ میں قرآن خوانی کے لئے گئے اتفاقاً جس گھر پر طلبہ تھے اس کے پاس سے غیر مسلموں کا ایک جلوس گذرا۔ جلوس والوں نے الزام لگایا کہ اس گھر سے ہمارے جلوس پر پتھر آیا ہے جس کے نتیجہ میں پولیس نے گھر والوں خصوصاً طلبہ کو زدوکوب کیا اور تھانے لے گئے۔ رات گئے کچھ لوگوں کو معلوم ہوا تو طلبہ کو تھانے سے چھڑا کر مدرسہ لائے اس وقت علامہ ارشد القادری صاحب برطانیہ میں تھے خیر یہاں زخمی طلبہ کی مرہم پٹی ہوئی اور علاج و معالجہ ہوتا رہا اسی وقت حافظ ملت علیہ الرحمۃ مدرسہ سے تقریباً آٹھ کیلو میٹر دور محلہ جگسلائی میں گیارہویں شریف کے جلسوں کے سلسلہ میں قیام پذیر تھے طلبہ سے متعلق خبر ملی تو دھتکی ڈیہہ عیادت کے لئے تشریف لائے طلبہ کو دیکھا اور انھیں تسلی دیتے ہوئے مؤثر کلمات سے نوازا اور واپس ہوئے۔

دور طالب علمی میں ایک بار میں اشرفیہ میں بیمار پڑا۔ کسی طرح حضرت کو معلوم ہو گیا۔ اچانک دیکھتا ہوں کہ حضرت خلاف معمول نیچے میرے کمرے میں تشریف لا رہے ہیں قریب آئے حال پوچھا۔ ہدایت کی اور دعائیں دے کر تشریف لے گئے۔

اسی طرح ایک بار بیمار ہو کر گھر آ گیا اور ایک ہفتہ کے بعد واپس ہو سکا تو وقت ملاقات تمہارے لئے بہت دعائیں کیں مجھے معلوم ہو جاتا تو جانے نہ دیتا یہیں علاج ہو جاتا۔ ایک بار میرے والد صاحب کی علالت سن لی تو محمدآباد ایک جلسہ میں جاتے ہوئے خیرآباد سے رکشہ چھوڑ کر پیادہ بھیرہ تشریف لائے پھر پیادہ محمدآباد گھاٹ سے تشریف لے گئے۔ میرے اندازہ کے مطابق ان کی زندگی میں عیادت کے واقعات ہزاروں کی تعداد میں ہونگے جبکہ مصروفیات اس قدر تھیں کہ دس پانچ منٹ بھی خالی رہنا مشکل تھا۔ مگر عزم و ہمت اور تدبیر و حکمت سے وہ سب کچھ کر لیا کرتے تھے۔ صالح اور سچا عزم و اخلاص ہو تو تائید غیبی بھی یاوری کرتی ہے۔

شرکت جنازہ: معلوم کتنے افراد ہیں جن کے جنازوں میں حافظ ملت نے شرکت کی اور زیادہ تر وہی ہیں جن سے نہ تو دوستی کا رشتہ ہے نہ ارادت و شاگردی کا، اور نہ ہی قرابت کا تعلق صرف دین و ایمان کا رشتہ ہی وہ قوی محرک تھا جو بیماروں کے گھروں کی طرح انھیں مرنے والوں کے جنازوں تک بھی کھینچ لاتا۔ بعض اوقات اس کے لئے سخت صعوبت و پریشانی بھی اٹھانی پڑتی۔ خود بیان فرمایا کہ موضع املو (جو حافظ ملت کی قیام گاہ سے ایک کلومیٹر دوری پر واقع ہے) وہاں کے ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضرت پڑھائیں۔ بعد وفات لوگوں نے اطلاع دی۔

گرمی کا موسم تھا۔ دوپہر کا وقت، چلچلاتی ہوئی دھوپ، اور اس زمانہ میں سواری نایاب مگر صرف ایک مسلمان کی وصیت کی تکمیل اور اس کے جنازہ میں شرکت کے لئے بلا توقف پیادہ تشریف لے گئے۔

مضافات مبارکپور اور قریبی علاقوں سے بھی اگر کسی کے جنازے کی خبر آجاتی تو اس زمانے میں سواریوں کی تمامتر صعوبتوں کے باوجود شرکت فرماتے۔

تعزیت اس سنت کا التزام تھا۔ جنازہ میں شرکت فرمائی تو بعد جنازہ میت کے گھر آکر پسماندگان کو کلمات تسلی سے نوازتے اور اگر بعد میں اطلاع ملی تو بھی کم از کم تعزیت سے باز نہ رہتے۔ مجھ سے پہلے میرے آٹھ نو بھائی بہن کمسنی ہی میں انتقال کر گئے۔ میرے والدین کا بیان ہے کہ جب بھی کسی بچے کا انتقال ہوا اس کے بعد حضرت ضرور تشریف لاتے اور آتے تو آیات و احادیث کی روشنی میں ایسی دلنشیں باتیں فرماتے جن سے بڑا صبر و سکون ملتا۔ اور کافی حد تک پے بہ پے صدمے کا غم غلط ہو جاتا۔

حاجتمندوں کی امداد حافظ ملت کوئی بڑے دولت مند اور صاحب ثروت تو نہ تھے لیکن جو کچھ رکھتے تھے اسے ضرورتمندوں پر خرچ سے دریغ نہ تھا۔ قدرت نے اس دلِ درد مند میں جو سوز و گداز ودیعت فرمایا تھا اس سے یہ ممکن نہ تھا کہ کسی پریشان حال کو دیکھ کر اس کی فکر نہ ہو۔ اور زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ بعض اوقات بہت سے لوگوں کی ضرورت و پریشان حالی سے ان کے قریبی احباب بھی آشنا نہ ہو پاتے لیکن حافظ ملت کی نگاہیں بہت جلد اس کا اندازہ کرلیتیں۔ پھر ہو سکا تو خود یا کسی اور کے ذریعہ حاجت روائی فرماتے۔ یہ چند سال کا معمول یا چند افراد کے ساتھ خصوصی برتاؤ نہ تھا بلکہ زندگی بھر کی عادت کریمہ اور ایک عام طریقہ تھا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ اس امداد و اعانت کا اپنی زبان سے تذکرہ تو دور کی بات ہے کسی اور ذریعہ سے بھی اس کا اظہار ممکن نہ تھا بلکہ لینے والا اگر خود نہ بتائے تو کوئی جان بھی نہ سکتا تھا۔

مولانا قاری محمد حسین صاحب اعظمی امام جامع مسجد جگسلائی جمشید پور نے ایک بار اپنے ساتھ حضرت کی عنایتوں کا حال بیان کیا (مجھے یاد آتا ہے کہ انھوں نے یہ اس تعزیتی اجلاس میں بیان کیا تھا جو حافظ ملت کی رحلت کے چند دنوں بعد جگسلائی جامع مسجد میں منعقد ہوا تھا۔)

وہ کہتے ہیں کہ جب میں اشرفیہ میں زیر تعلیم تھا ایک وقت والد صاحب نے خانگی پریشانیوں کی وجہ سے مجھے تعلیم چھوڑنے کے لئے کہا لیکن حافظ ملت کو معلوم ہوا تو انھوں نے تکمیل کا حکم دیا اور میری کفالت خود اپنے ذمہ کرلی۔ بعد میں والد صاحب نے میری شادی کردی کہ شاید اس وجہ سے ترک تعلیم پر مجبور ہو مگر حافظ ملت نے میرے ساتھ میری اہلیہ کے اخراجات کا بھی ذمہ لے لیا اور کئی سال یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ میری فراغت ہوگئی۔

اس واقعہ سے جہاں حافظ ملت کی ہمدردی اور بے لوث سخاوت کا علم ہوتا ہے وہیں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں تعلیم کی کس قدر اہمیت تھی اور اپنے طلبہ پر کس درجہ شفیق و مہربان تھے کہ خود کو بڑی ثابت قدمی اور خوشدلی سے صعوبت و مشقت اٹھانے کے لئے آمادہ کرلیتے لیکن کسی عزیز کی دینی تعلیم کا جو سلسلہ جاری ہے اس کا منقطع ہونا گوارہ نہ فرماتے۔

قاری صاحب موصوف ہی بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں میں حافظ ملت کے گھر (پرانے مدرسہ) رہتا تھا ایک بار مبارکپور میں کاروبار پر سخت انحطاط آیا۔ یوں تو کساد بازاری ہوتی رہتی تھی لیکن اس وقت مندا اتنا زیادہ تھا کہ بہت سے گھروں میں فاقہ کی نوبت آگئی تھی لوگ طرح طرح کی پریشانیوں سے دوچار تھے۔ کچھ لوگ حضرت کے گھر تنہائی کے وقت آتے۔ حضرت ان کی سقیم حالت دیکھ کر سمجھ جاتے اور کچھ کہے بغیر اندر سے دال چاول وغیرہ اور کچھ نقد لاکر چپکے سے دیدیتے یہ معاملہ میں نے بہت سے لوگوں کے ساتھ دیکھا اور بار بار دیکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حافظ ملت کا یہ سلوک ایسا تھا جس سے پاس پڑوس کے لوگ اور لینے والوں کے قریبی آشنا و رشتہ دار بھی واقف نہیں ہو سکتے تھے اس لئے کہ حافظ ملت تو اسے کبھی زبان پر لاہی نہ سکتے تھے ہر طرح اخفا ہی کی کوشش کرتے اور لینے والے بھی اپنی عزت کے خیال سے

اس کا ذکر نہیں کر سکتے تھے۔ خود میں اگر گھر کے ایک فرد کی طرح وہاں قیام پذیر نہ ہوتا تو مجھے کبھی اس کی کوئی خبر نہ ہوتی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درد و غم حافظ ملت کے رگ و پے میں کس طرح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ معیشت کی خرابی کا اثر اشرفیہ اور مدرسین پر بھی ضرور پڑا ہوگا۔ بلکہ خود اشرفیہ کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ایسے ایام میں مدرسین کو سخت پریشانیوں اور صبر آزما مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان حالات میں خود اپنی ضروریات اور اپنے متعلقین کی کفالت کا انتظام ہی بڑا دشوار گزار مرحلہ ہے۔ دوسرے حاجت مندوں کی طرف التفات کا سامان کرنا، تو اور بھی مشکل ہے۔ لیکن حافظ ملت کے اخلاص و تقویٰ اور دردمندانہ کردار و عمل کو دیکھ کر ان آیات کریمہ کی تفسیر محسوس شکل میں نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔

(رتہ ۳۔۴ طلاق پ۲۸)

ولوان اھل القری آمنوا والتقوا لفتحنا علیھم برکٰت من السماء والارض۔

(اعراف ۹۶ پ۹)

اور جو خدا کا تقویٰ رکھتا ہو اللہ اس کے لئے کشادگی کی راہ پیدا کر دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

سخاوت وفیاضی

غالباً اسے الگ سے بیان کرنے کی ضرورت نہ رہی گزشتہ واقعات وشواہد سے ان کی کشادہ دلی اور بذل وسخا کے مناظر خود ہی عیاں ہیں۔ البتہ اس کا اعلان و اظہار کم ہی ہو پاتا۔ بہت سے ضرورت مند طلبہ کو وہ ان کے خرچ کے لئے اکثر و بیشتر خفیہ طور پر دیا کرتے تھے یہ اس لئے کہ قرآن و حدیث میں اسے زیادہ اچھا قرار دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی لینے والے کی خودداری اور عزتِ نفس کا پاس و لحاظ بھی ملحوظ خاطر ہوتا۔ مدارس و مساجد کے چندوں میں بھی وہ مالی اعانت سے حصہ لیتے اور کبھی کبھی اس کا اعلان بھی ہو جاتا۔ قرآن میں اسے بھی دوسروں کی ترغیب کے پیش نظر اچھا قرار دیا گیا ہے۔ جامعہ اشرفیہ کی تعلیمی کانفرنس پھر جشن افتتاح کے مواقع پر حافظ ملت ان کے برادران اور متعدد افراد خانہ کے تعاون کا اعلان بھی ہوا۔

اعزہ و متعلقین سے حسن سلوک

کشادہ دلی کا اس میں بھی دخل ہوتا ہے۔ حافظ ملت کے چھوٹے بھائی حافظ عبدالرشید صاحب مرحوم ایک بار حضرت کے حسن سلوک کا ذکر فرمانے لگے کہ حافظ ملت کی عادت ہے کہ گھر پر ہم لوگوں کو کوئی سامان یا کھانے پینے کی چیز لا کر دیا کرتے ہیں۔ اور انکار کرنے پر اصرار کر کے فرماتے ہیں کہ "ملتے کو انکار نہیں کرتے"۔ مزید فرمایا کہ "انھوں نے ہم لوگوں کو کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی۔ خدا ان کا سایہ دراز فرمائے۔ ہمیں ان کا صدمہ نہ دکھائے۔ ہمارے بہت بعد تک انھیں باقی رکھے"۔ مگر مشیت ایزدی میں کسے چارہ ہے؟ حافظ ملت کا وصال پہلے ہوا۔ لیکن حافظ عبدالرشید صاحب فراق کا صدمہ زیادہ دنوں تک برداشت نہ کر سکے یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۹۷۶ء دوشنبہ گزار کر رات کو حافظ ملت کا وصال ہوا اور حضرت کے برادر عزیز ممدوح جون ۱۹۷۹ء میں تین سال بعد ہی ان سے جا ملے رحمہما اللہ رحمۃ واسعۃ۔

جمشید پور تشریف لاتے تو علامہ ارشد القادری کے بچوں کو اس دور کے لحاظ سے کم و بیش ایک ایک دو دو روپیہ ہر ایک کو ضرور دیتے اس معمول میں کبھی فرق نہ آیا کئی سال علامہ موجود نہ تھے مگر حضرت کا سلوک اپنی جگہ برقرار رہا۔ ایک بچی جو ذرا ہوشیار ہو گئی تھی ڈر کی وجہ سے نہ آئی تو حضرت اسے بھولے نہیں۔ چلتے چلتے اسے بلوایا اور دیا۔ واپسی پر اس نے قدم پر ہاتھ لگا کر چومنا چاہا تو حضرت نے سخت ناگواری ظاہر کی اور اس کے بڑے والد کا نام لے کر فرمایا کہ وہیں سے یہ تم لوگوں نے سیکھا۔ انھوں نے تمہاری عادت بگاڑ دی۔

عموماً بڑے لوگوں کو چھوٹے اور بہت چھوٹے لوگوں کی دلجوئی کا خیال کم ہی آتا ہے مگر اس خصوص میں بھی حافظ ملت کا کردار عام بڑے لوگوں سے مختلف تھا۔ کوئی سفر میں ساتھ ہے تو اس کی ضرورت اور کھانے پینے کا پورا خیال رکھتے۔ دعوت میں کوئی ساتھ گیا اور کھانے کے وقت دسترخوان پر حاضر نہیں یا لوگوں نے ناواقفی میں اسے پیچھے کر دیا تو خود یاد فرماتے اور جب تک بلا نہ لیتے کھانا شروع نہ فرماتے۔ اس طرح کے واقعات میرے ساتھ بھی گذر چکے ہیں ـــــ صرف ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

جمشید پور محلہ آزاد نگر کے ایک اجلاس میں شرکت کے لئے حضرت تشریف لے گئے تھے۔ قیام دھتکی ڈیہہ مدرسۂ فیض العلوم میں تھا۔ دونوں محلوں میں قریباً آٹھ کیلومیٹر فاصلہ ہوگا جلسہ میں شرکت کے لئے ایک سامع کیطرح میں بھی پہونچ گیا۔ اختتام کے بعد روڈ کی طرف آیا کہ کوئی سواری ملے تو دھتکی ڈیہہ جاؤں رات کے ایک بجے کا وقت تھا۔ سواری ملنے میں پریشانی لازمی امر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک ٹیکسی جانے والی ہے اس کی طرف بڑھا قریب پہنچا تو یہ دیکھا کہ اس سے حافظ ملت اور دوسرے بزرگ علما تشریف لے جارہے ہیں۔ اس وقت میں فیض العلوم میں سینیر مدرس تھا مگر کم عمری کی وجہ سے میری حیثیت ایک طالب علم سے زیادہ نہ تھی اس لئے معزز مہمانوں نے پہچاننے کے باوجود التفات کی کوئی ضرورت نہ سمجھی میں بھی مطمئن تھا کہ اور بھی سامعین آئے ہیں کسی ٹیکسی والے کو تیار کر ہی لیا جائے گا۔ اتنے میں حافظ ملت نے مجھے دیکھ لیا اور فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں نے عرض کیا اس میں تو جگہ نہیں فرمایا، "جگہ تو دل میں ہوتی ہے"۔ حضرت کی زبان سے یہ سننا تھا بزرگ ہم نشینوں کو خیال ہوا اور آسانی سے میرے لئے جگہ نکل آئی۔ یہ ایک معمولی واقعہ ہے۔ مگر ایسے ہی واقعات سے معاشرہ میں رواداری، کشادہ قلبی اور خورد نوازی کا امتحان ہوتا ہے۔

حافظ ملت کے اخلاق و محاسن کے عنوانات اور ان سے متعلق شواہد واقعات بہت ہیں سب کو سمیٹنا سب کی ذمہ داری ہے۔ میں چند واقعات و حالات اور پیش کرتا ہوں ان کے مناسب عنوانات ناظرین خود قائم کرلیں۔ ایک مضمون:۔ "حافظ ملت درسگاہی و تعلیمی ماحول میں:" الگ سے لکھنے کا ارادہ ہے۔ خدا جلد پورا فرمائے۔ کچھ حالات و شواہد اور افکار و خیالات اس کے ذیل میں درج ہوسکیں گے۔

تواضع و بے نفسی

(۱) حافظ ملت نے مجھ سے ایک بار بیان فرمایا کہ حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں علیہ الرحمہ ہمارے زمانۂ طالب علمی میں اجمیر شریف پہونچے ان کے پاس سلسلۂ معمریہ تھا جس میں غوث اعظم تک صرف چار واسطے ہیں۔ ہم چالیس رفقائے درس ایک ساتھ اس سلسلہ میں داخل ہوگئے۔ اور سلسلۂ چشتیہ اشرفیہ میں طالب ہوئے۔ بعد میں جب میں مبارکپور آیا اور یہاں حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی تشریف آوری ہوئی تو مجھے خلافت بھی دیدی میں نے عرض کیا حضور میں تو اس کا اہل نہیں فرمایا۔

"داد حق را قابلیت شرط نیست"

حافظ ملت کو حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہٗ سے بھی سلسلہ قادریہ برکاتیہ میں خلافت حاصل ہے۔ مگر قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ حافظ ملت ان لوگوں میں نہیں جو خود مطالبہ کر کے خلافت حاصل کریں بلکہ انھیں خلافت دی گئی تو یہ عرض کیا کہ میں تو اس کا اہل نہیں اور جواب وہ ملا جو ایک تمغۂ امتیازی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اب تو ہم تن نا اہل کے باوجود کسی کے سر ہو کر خلافت لینے دینے کا سلسلہ چل پڑا ہے جو حد درجہ افسوس ناک ہے۔

(۲) غالباً ۱۹۶۲ء کا واقعہ ہے کہ مولانا عبدالستار صاحب پوردیادی اور مولانا ناصر صاحب وغیرہ نے اپنے کچھ متعلقین کی خواہش پر ضلع رانچی میں کوٹام نامی ایک مقام پر حافظ ملت کو ایک جلسہ میں مدعو کیا۔ حضرت نے تقریر فرمائی اور اسٹیج سے اتر کر قیام گاہ کے لئے روانہ ہوئے اناؤنسر صاحب نے اب حضرت کے محاسن و مراتب بیان کرتے ہوئے لوگوں کو داخل سلسلہ ہونے کی دعوت دی۔ حضرت نے واپس جاتے ہوئے راستے میں یہ باتیں سن لیں اور درمیان راہ سے

واپس آئے۔ اناؤنسر کو سخت ناگواری کے ساتھ اس اعلان سے روکا اور خود مائک پر آکر فرمایا کہ میں قطعًا اس طرح کی تحریک پسند نہیں کرتا اور جو کچھ ہوا میری مرضی اور اطلاع کے بغیر ہوا۔

الغرض حافظ ملت کا کردار ان لوگوں سے بہت مختلف ہے جو خود اس طرح کی تحریک کرکے لوگوں کو اپنا مرید بناتے ہیں اور اس کام کیلئے لوگوں کو خاص طور سے استعمال کرتے ہیں۔ یوں بھی حافظ ملت نے اپنے کو کبھی پیر کے روپ میں نہیں پیش کیا۔ جو لوگ حضرت سے بیعت ہوتے وہ حضرت کے علم و فضل، کردار و عمل، تقویٰ اور اتباع سنت سے متأثر ہوکر اپنی خواہش و مرضی سے بیعت ہوتے۔ حافظ ملت نے پیری مریدی کو کبھی بھی کاروبار کے طور پر استعمال نہیں کیا۔

( ) یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے مشائخ سے بیعت ہوتا تو حافظ ملت کو اس سے ذرا بھی کبیدگی نہ ہوتی بلکہ خوشی کا اظہار فرماتے اور بعض اوقات مبارکباد بھی دیتے۔ رازؔ الٰہ آبادی نے مفتی اعظم سے بیعت ہونے کی خبر دی تو حضرت نے بے ساختہ فرمایا مبارک ہو، بہت بڑے شیخ کا دامن تھاما ہے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جب رازؔ صاحب کو ایک جلسہ میں دیکھا کہ داڑھی رکھ لی ہے تو اسٹیج پر برسر عام فرمایا کہ یہ مفتی اعظم کی کھلی ہوئی کرامت ہے، رازؔ صاحب کی زندگی عمومًا غزل و مشاعرہ میں آزادانہ گذری۔ نعت کی راہ سے مذہبی جلسوں اور دینی عالموں کے قریب آئے تو حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے غایت عقیدت و محبت پیدا ہوئی اور داخل سلسلہ ہوگئے۔

(۴) ۱۹، ۲۰ر شوال ۱۳۹۲ھ کو الجامعۃ الاشرفیہ کی درسگاہ بلڈنگ کا جشن افتتاح تھا۔ جس کے لئے مفتیٔ اعظم قدس سرہ خاص طور پر مدعو تھے ۲۰ر شوال کی شب میں بعد نماز مغرب درس بخاری شریف کے آغاز سے حضرت مفتیٔ اعظم افتتاح کرنے والے تھے۔ درجۂ فضیلت کے طلبۂ اشرفیہ کے شیخ الحدیث حضرت شمس العلماء قاضی شمس الدین صاحب جعفری علیہ الرحمہ، دیگر علماء و مشائخ اور عوام حاضر تھے۔ حافظ ملت نے افتتاح سے قبل حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ کا تعارف کراتے ہوئے ایک مختصر تقریر کی جسمیں ان کی عظمتِ علم و فضل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ مفتی اعظم بلاشبہ ولی کامل ہیں۔ آج جو ان سے ایک سبق پڑھے گا وہ آئندہ اس پر فخر کرے گا۔ جو داخل سلسلہ ہوگا آئندہ اس پر فخر کرے گا کہ میں ان سے بیعت ہوں۔ جو دست بوسی کرے گا اسے فخر یہ بیان کرے گا۔ جو زیارت کرے گا آئندہ فخر سے کہے گا کہ میں نے مفتی اعظم کو دیکھا ہے۔

حافظ ملت بیان فرماتے جارہے تھے اور حضرت شمس العلماء اس کی تصدیق فرماتے جارہے تھے حافظ ملت اپنے تمام اکابر سے عقیدت اپنے تمام معاصرین سے الفت اور سبھی علمائے اہلسنت سے محبت رکھتے اور موقع بموقع ان کے واقعی کمالات اور دینی خدمات کو نجی محفلوں اور عام محفلوں میں بیان کرتے اور سراہتے۔

حضرت شاہ یار علی صاحب علیہ الرحمہ (براؤں شریف) کے پہلے عرس کا دعوت نامہ حضرت کو موصول ہوا تو ہم لوگ درسگاہ میں اپنی کتاب پڑھنے کے لئے حاضر تھے۔ حضرت نے خط پڑھا اور باآواز بلند فرمانے لگے انشاء اللہ شرکت کروں گا، ضرور حاضر ہوں گا۔ ہم لوگ کچھ نہ سمجھے مگر حضرت کو بتانا اور بتانا ہی مقصود تھا۔ شاہ صاحب کا نام لیا اور ان کے محاسن بتانے لگے۔ اسی وقت مجھے پہلی بار حضرت شاہ صاحب کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ چالیس سال تک ان کی جماعت و جماعت تکبیرۂ اولیٰ کبھی فوت نہ ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(۵) مشائخ اور بزرگوں کی دست بوسی کوئی نئی بات نہیں لوگوں میں ہمیشہ یہ معمول رہا ہے۔ حافظ ملت کے زہد و تقویٰ اور علم و عمل سے صرف ان کے تلامذہ اور مریدین ہی متأثر نہ تھے بلکہ ان کے مذہبی حریفوں اور دشمنوں کو بھی اس کا اعتراف تھا۔ اور واقفکار اہلسنت تو سب کے سب نہ صرف یہ کہ متأثر تھے بلکہ معتقد تھے (الا ماشاء اللہ) اور اس عقیدت کی بنا پر لوگ حضرت کی دست بوسی بھی کرتے مگر ملنے والوں میں ایسے لوگ بھی آتے جو دست بوسی کی رسم سے آشنا ہی نہ ہوتے یا تکلف سمجھ کر قصدًا ترک کردیتے ایسے موقع پر عمومًا یہ دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنی دست بوسی کرانے کے عادی ہوتے ہیں اگر کوئی شخص ان سے ملا اور دست بوسی

ترک کردی تو چہرہ متغیر ہو جاتا ہے اور غیظ و غضب کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اور چہرہ کی حالت سے باطن کی کیفیت طشت از بام ہو جاتی ہے۔ مگر حافظ ملت کے چہرہ پر دست بوسی سے مسرت و خوشی اور ترک سے تغیر و کبیدگی کبھی دیکھنے میں نہ آئی۔ ہاں اہل تعلق خصوصًا دیندار و دین پرور لوگوں کی آمد ہی کے ساتھ حضرت کے چہرہ پر انبساط و مسرت کی عبارت آسانی سے پڑھی جاسکتی تھی۔ اور ان کے نزدیک مسرت کا اصل سبب دین سے تعلق اور خدمت دین سے تعلق تھا۔ محض اپنی خدمت و عقیدت کی بنا پر وہ کسی ترجیح کے قائل نہ تھے یہی وجہ ہے کہ جس کسی کی دینی خدمت سے انھیں اطلاع ہوتی اس پر خوشی کا اظہار فرماتے خواہ حضرت سے اس کی کوئی راہ و رسم ہو یا نہ ہو۔

غیر دست بوسی تک تو حضرت گوارا کر لیتے تھے مگر قدم بوسی سے نفرت تھی اور اپنے لئے اسے بالکل پسند نہ فرماتے۔ اسی سے متعلق ایک واقعہ پہلے ضمنًا تحریر کر چکا ہوں۔

(۶) حافظ ملت بار بار یہ تعلیم دیتے کہ قرآن فرماتا ہے۔ وھو معکم اینما کنتم: جب خدا تمہارے ساتھ ہے تو تمہیں کسی سے ڈر نہیں ہونا چاہئے۔ اور یہ وعظ صرف گرمی محفل کے لئے نہ تھا بلکہ خود ان کا اس پر یقین تھا۔ انھوں نے ہر طرح کے ماحول میں زندگی گذاری، بے شمار سفر تنہا کئے اور نصرت الٰہی و حفظ خداوندی پر اعتماد و توکل ہمیشہ ساتھ رہا۔

ایک بار محلہ حیدر آباد میں محفل میلاد سے فارغ ہوئے تو کافی رات گزر چکی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قصبہ میں بجلی کی لائن نہ آئی تھی۔ اور رات کو چوری وغیرہ کی وارداتیں معمول میں داخل تھیں۔ حضرت پرانے مدرسہ کے لئے تنہا واپس ہونے لگے تو صاحب خانہ کو تشویش ہوئی چونکہ خاصا فاصلہ ہے اس لئے عرض کیا میں حضرت کو پہونچا دیتا ہوں، حضرت نے فرمایا پھر میں تم کو پہونچاؤں، اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہے؟ جاؤ آرام کرو، میں نہیں ڈرتا تنہا چلا جاؤں گا۔

(۷) حضرت کی زندگی سے غیر مسلم بھی متاثر تھے۔ جب حضرت کو بلا تصویر پاسپورٹ کے سفر حج کی اجازت مل گئی تو قصبہ میں لوگ اس کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ پرانے مدرسہ سے نئے مدرسہ آتے ہوئے ایک حلوائی کی دوکان اور مکان ہے کچھ لوگ بغیر تصویر پاسپورٹ کا حلوائی کی دوکان پر ذکر کر رہے تھے اس نے درمیان کلام سے سنا تو بڑے غصہ سے کہا کون ہے جو بین الاقوامی قانون کے برخلاف بلا تصویر پاسپورٹ سے دوسرے ملک کا سفر کر سکے؟ لوگوں نے حافظ ملت کا نام لیا یہ سننے کے بعد وہ بالکل ٹھنڈا ہو گیا اور نرمی و سنجیدگی کے ساتھ کہا وہ جا سکتے ہیں۔ میں تیس سال سے ان کو اس راستہ سے آتے جاتے دیکھ رہا ہوں مگر ہمیشہ یہی دیکھا کہ نظر نیچی کئے آتے ہیں اور جاتے ہیں تیس سال میں کبھی بھی انھیں سر اٹھا کر چلتے ہوئے یا دائیں بائیں نظر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ بغیر فوٹو کے جا رہے ہیں تو جا سکتے ہیں۔

ایک بار کا واقعہ خود حضرت نے بتایا کہ ہولی کا دن تھا دوپہر کو مدرسہ کے لئے میں آرہا تھا۔ ہولی کا جلوس راستہ ہی میں مل گیا۔ مجھے معلوم ہوتا تو دوسرے راستہ سے جاتا۔ لاعلمی میں حسب معمول اسی راستہ سے آیا۔ اس دن عمومًا ہندو نشہ اور رنگ میں مست رہتے ہیں مگر مجھے دیکھتے ہی ان میں سے کچھ لوگ چلا کر دوسروں کو روکنے لگے کہ ٹھہرو ٹھہرو مولانا آرہے ہیں رک جاؤ۔ راستہ دیدو۔ خیر میں آسانی سے نکل آیا اور رنگ کی ایک چھینٹ بھی میرے اوپر نہ پڑ سکی۔

حافظ ملت کے کردار و عمل اور اخلاق و محاسن کو کہاں تک یاد کیا جائے اور جزئی واقعات کو کہاں تک بیان کیا جائے۔ وہ کردار کی پختگی اور اتباع سنت اور اخلاص و تقویٰ کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ انھیں دیکھ کر اسلاف کی پاکیزہ زندگی اور بلند کردار و عمل کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا تھا۔ ان کی حیات سے تاریخ صالحین کے حیرت انگیز واقعات و حالات کی تصدیق ہوتی تھی اور اسلام کے مرد مومن اور مثالی انسان کو دیکھنے کی اگر کوئی آرزو کرے تو انھیں پیش کیا جا سکتا تھا افسوس اب ایسے کسی پیکر علم و عمل اور مجسمۂ عزیمت و استقامت کے دیدار کے لئے آنکھیں ترستی ہیں، دل تڑپتے ہیں۔ آرزوئیں مچلتی ہیں، تمنائیں بے قرار ہیں مگر صبح آرزو کا اجالا کہاں؟ مجھے مولانا شاہ غلام آسی صاحب مدظلہ کی ایک بات یاد آتی ہے اور بار بار یاد آتی ہے۔ انھوں نے آج

بقیہ صفحہ ۱۱۳ پر

حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ

مبارکپور میں احیائے دین کی ایک عظیم تحریک کا تاریخی جائزہ

از علامہ ارشد القادری مصباحی

عزیز المکرم حضرت مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی زید مجدکم مہتمم ادارۂ تحقیقات حافظ ملت، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور۔ وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ، مزاج گرامی۔ ادارۂ تحقیقات حافظ ملت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سیمینار کی خبر سے بیحد مسرت حاصل ہوئی۔ ایسے محسن کو یاد رکھنا اسلام ہی کو نہیں انسانیت کا بھی تقاضا ہے۔ تعمیری کردار کے ساتھ حافظ ملت کی تنظیمی شخصیت زندگی عصر حاضر کے نوجوانوں کے لئے بہترین مشعل راہ ہے۔ متوازن فکر اور صحیح اقدام حافظ ملت کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتا۔ ہم آپ حضرات سے اس اہم ترین ادارے کے قیام پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

جمشید پور، سیسرام اور بنارس میں کے ہولناک اور ... فسادات کے بعد ادارہ شرعیہ پٹنہ کی طرف سے ان علاقوں میں قیام امن اور راحت رسانی کی مہم شروع کی گئی تھی ذہنی اور عملی طور پر میں اتنا مصروف تھا کہ بہت چاہتے ہوئے بھی عاجز رہا کہ سیمینار میں شرکت ہو سکی اور نہ اس مبارک تقریب پر پیش کرنے کیلئے میں کوئی مقالہ تیار کر سکا۔ اب جب کہ گذشتہ دو تین ہفتے کی مدت کے بعد حالات کچھ پرسکون ہوئے ہیں اور ذہنی طور پر بھی قلم اٹھانے کے قابل ہوا ہوں تو بہت عجلت میں آپ کے دئیے ہوئے عنوان پر ایک مقالہ میں نے تیار کیا ہے جسے ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ آپ حضرات کی نظر میں یہ اشاعت کے قابل ہو تو اسے بھی مقالات میں شامل کرلیں۔ تاکہ حضور حافظ ملت کے مداحوں کی صف نعال میں مجھے بھی کہیں کھڑے ہونے کی جگہ مل جائے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

والسلام خیر الختام

دعاگو — ارشد القادری پٹنہ

رہتی ہیں بار ہیں لاکھوں حکایتیں لیکن
کوئی سنے تو سنا دوں کوئی دیکھے تو دکھاؤں

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے ذاتی فضائل و کمالات، اپنے جذبۂ ایثار و اخلاص، اپنے زہد و تقوی، اپنے علمی تبحر، اپنی حکمت و ذہانت، اپنے مقام تقرب و عرفان، اپنے اخلاق محاسن و مکارم کے اعتبار سے جس مقام بلند پر فائز تھے۔ اس کا اعتراف دوست و دشمن کو ہے لیکن جس وصف میں انہوں نے اپنے عصر ہی نہیں بلکہ اپنے ماضی کے بھی ہزاروں علماء کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا ہے وہ ہے ان کی مردم سازی اور نسل نو کی تعمیر کا جذبۂ مقدس اور وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ اس کی تفصیل موت کا فرشتہ کا زور نہیں توڑ سکا۔ علم و آگہی اور شخصیت سازی کا جو پودا انہوں نے اپنی حیات ظاہری میں لگایا تھا وہ آج بھی جامعہ کے احاطے میں اُگ رہا ہے۔

حافظ ملت نے اس سے آگے جو کیا ماضی میں کسی نے نہیں کی بنیاد رکھی وہ محض حسن اتفاق کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ان کی فکر سامنے آچکی اس حقیقت کا سراغ لگایا تھا کہ کوئی قوم اپنے تائید کے بغیر اپنا وجود باقی رکھ سکتی ہے اور نہ اپنے تشخص کا تحفظ کر سکتی ہے۔ اور یہ کہتے ہیں اسی کو لگا یہ حقیقت سامنے تھی کہ تعلیم کے بغیر قیادت کی صلاحیتوں کا ابھرنا ممکن نہیں ہے۔ اسی حقائق کی روشنی میں انہوں نے ایک ایسے آفاقی سطح کے دینی تعلیمی مرکز کے قیام کا فیصلہ کیا جہاں سے علمائے اسلام کی باوقار نسل ہمیشہ پیدا ہوتی رہے۔ راہ کی مشکلات سے وہ پوری طرح باخبر تھے۔ لیکن آنے والی نسلوں کو دین حق کے ساتھ مربوط رکھنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی شکل بھی نہیں تھی۔ یہ حقیقت بھی ان کی نگاہ سے اوجھل نہیں تھی کہ کسی بھی تعلیمی منصوبے کی تکمیل کے لئے بنیادی طور پر دو چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بہترین اساتذہ اور ضرورت کے مطابق عمارتیں۔

جہاں اساتذہ کا سوال تھا اسے اپنی تیس سالہ مدت تدریس میں انہوں نے خود ہی تیار کر لیا تھا۔ علم و فن کے مختلف اصناف میں خود ان کے تیار کئے ہوئے ماہرین اتنی بڑی تعداد میں موجود تھے کہ جہاں بھی وہ بٹھا دیئے جاتے ایک دینی یونیورسٹی کی بنیاد پڑ جاتی۔ اس لئے اب سوال صرف عمارتوں کی تیاری کا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے انہوں نے مبارکپور کے باہر زمینوں کی خریداری کا سلسلہ شروع کیا۔ جب ۲۲ ایکڑ زمین کا رقبہ حاصل ہو گیا تو اب کام کے آغاز کی انہیں فکر لاحق ہوئی۔

واضح رہے کہ اس وقت حافظ ملت دارالعلوم اشرفیہ کے صرف صدر مدرس تھے انتظامی امور میں وہ اتنے با اختیار نہیں تھے کہ کوئی منصوبہ صرف اپنی صوابدید پر شروع کر سکیں۔ اس لئے انہیں اپنے منصوبے کے آغاز کے لئے مجلس انتظامیہ سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ مگر اس میں کامیابی ہوتی نظر نہ آئی۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ مبارکپور کی سرزمین پر وہ اپنے فکری منصوبے کو عملی شکل نہیں دے سکتے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ ملک کے کسی بھی خطے میں اس کام کا آغاز کیا جائے گا۔ حافظ ملت کی عزیمت و استقامت کے سیل رواں کے سامنے مشکلات کی کوئی دیوار کھڑی نہیں رہ سکی۔

چنانچہ جگہ کے انتخاب کے سلسلے میں حضرت موصوف نے مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی علیہ الرحمۃ کی قیادت میں ایک سہ رکنی وفد کی تشکیل فرمائی جس کے اراکین میں یہ راقم الحروف اور حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی علیہ الرحمۃ شامل تھے۔ اتر پردیش کے چند مقامات کی نشاندہی فرماتے ہوئے حضرت نے وفد کو واضح طور پر ہدایت فرمائی کہ کس کس رخ سے ان سارے مقامات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

وفد کو جن مقامات کا سروے کرنا تھا ان میں مغل سرائے، سلیم پور، گورکھپور اور بلرام پور شامل تھے۔ ایک مہینے کے بعد جب یہ وفد واپس لوٹا اور ان کے سامنے جائزے کی رپورٹ پیش کی تو حضرت نے بلرام پور کو اپنے منصوبے کے آغاز کے لئے پسند فرمایا۔ کیوں کہ وہاں کے چند باہمت اور مخیر مقامی افراد نے ابتدائی مرحلہ ہی میں ایک زمین کا رقبہ مجوزہ تعلیمی مرکز کے لئے وقف کرنے کی پیشکش کی تھی۔

جگہ کا مسئلہ طے ہو جانے کے بعد اب حضرت خاموشی کے ساتھ بلرام پور منتقل ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ شدہ شدہ یہ بات مبارکپور کے سنی مسلمانوں کو معلوم ہو گئی اور جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر سارے قصبے میں پھیل گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن قصبہ کے ذی اثر مسلمانوں کا ایک وفد اس خبر کی تصدیق کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ اب میں عمر کے آخری حصے سے گزر رہا ہوں۔ میری زندگی کی آخری خواہش ہے کہ جماعت اہل سنت کے دینی مستقبل کے تحفظ کے لئے جو منصوبہ میرے ذہن میں ہے اسے اپنے سفر آخرت سے پہلے زمین پر منتقل کردوں۔ اس کے لئے اب میں نے اپنی اسی تحریک کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دوسری جگہ کا انتخاب کر لیا ہے۔ اور ایک دن کا وقت ضائع کئے بغیر میں وہاں منتقل ہو رہا ہوں۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ دارالعلوم اشرفیہ کا نہ کوئی استاذ میرے ساتھ جائے گا اور نہ کوئی طالب علم۔ اس لئے میرے یہاں سے ہٹ جانے کے بعد بھی یہ کارخانہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ کیوں کہ اس چمنستان علم و ادب کو بھی میں اسی طرح آباد اور پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت کا یہ جواب سنکر لوگ واپس لوٹ گئے۔ اور سارے قصبے و مضافات کے سنی مسلمانوں کی ایک بہت بڑی مجلس شوری ان لوگوں نے بلوائی اور انہیں حضرت کے فیصلے سے مطلع کیا۔ یہ سننا تھا کہ ہزاروں افراد پر مشتمل سارا مجمع تڑپ اٹھا کہ حضرت کو کسی قیمت پر یہاں سے جانے نہیں دیا جائے گا۔ ہم ان کے دروازے پر اپنے بال بچوں کے ساتھ دھرنا دے دیں گے۔ اور جب تک وہ اپنا ارادہ نہیں بدلیں گے ہم وہاں سے نہیں لوٹیں گے۔ اسی میٹنگ میں یہ بات بھی متفقہ طور پر طے پائی کہ وہ اپنے تعلیمی منصوبے کا آغاز مبارکپور ہی کی سرزمین پر کریں۔ اور کل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی کریں۔

اسی مجلس میں حاضرین کے مطالبے پر دارالعلوم کی مجلس انتظامیہ تحلیل کر دی گئی اور دارالعلوم کے سربراہ اعلیٰ کی حیثیت سے ادارے کا سارا انتظام حضرت کے ہاتھوں

مس خام بن جاتی، اور بغیر تراش، آئینہ سا ہو اور روشن۔ نا اہلات چھپا یا خلق خدا اگر میری کسی بات پر کسی کی دل آزاری، حق تلفی یا تکلیف ہوئی ہو تو مجھے معاف کر دیں۔ جب آپ حضرات خود ذمہ دار عالم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دین کی خدمت عبادت سمجھ کر انجام دینے کے لئے کمربستہ ہوں۔ اپنے دین، مذہب اور ذمہ داریوں کا احساس پیدا کریں۔ جانے مولا تعالیٰ آپ لوگوں کا حامی و ناصر ہو۔

آنسوؤں کی جھڑی کے ساتھ، قلبی جذبات و درد کو چھلکاتے ہوئے حضرت جب ہم معنوی جگر گوشوں کو رخصت کرتے وقت مذکورہ باتیں فرماتے تو طلبہ بلک بلک کر رونے لگتے۔ اور منٹوں کو تمام عالم گریاں ہوتے۔

حضور! آپ کی نصیحت اور سرزنش ہمارے بھلے ہی کے لئے تھی۔ ہمیں علم و دانش کی جو کچھ روشنی میسر آئی ہے اساتذہ کرام اور آپ کی کرم فرمائیوں کے صدقے آئی ہے۔ آپ کی نعلین کی خاک ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ حضور! اس قسم کی باتوں سے ہمیں شرمندہ نہ کریں۔ البتہ ہم نا سمجھوں، نکموں اور نادانوں سے نادان جان کر ہیں کسی طرح اگر کوئی بے ادبی سرزد ہوئی ہو تو درگزر فرمائیں۔

انکسار و تواضع ___ خود خواہی اور نام و نشانی کی یہ بزم عام طور پر جلسۂ دستار بندی تمام ہونے پر نصف شب گزر جانے کے بعد سجتی اور فاضلین اشرفیہ حضرت حافظ ملت اور دیگر اساتذہ کرام سے دعاؤں کا توشہ لے کر اپنے اپنے وطن کا سفر کرتے۔

اپنی دستار بندی کے موقع پر اسی بزم الفت و آہ میں میں کچھ نا چیز بھی ہم چشم اختتام جلسہ کے بعد سب سے آخر میں میں نے حضرت کی دست بوسی کی تو صبر و ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا ___ اور جذبات کا دھارا زور و شور سے بہہ نکلا ___ ہزار ضبط کے باوجود میں زور زور سے ہچکیاں لے کر رو رہا تھا۔ کافی دیر تک میرا چہرہ حضرت کے دامن مبارک سے بھیگتا رہا ___ اور حضرت میرے شانوں پر ہاتھ مبارک رکھے تسلی دیتے رہے۔ کچھ دیر بعد جب میں نے خود پر قابو پایا تو ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت حافظ ملت نے اپنی پدرانہ شفقت کا اظہار جن الفاظ میں فرمایا۔ زمانہ بہت بیت گیا۔ مگر وہ الفاظ آج بھی نا موس سماعت کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

مولوی بدر عالم! میں آپ کو چھوڑ رہا ہوں گا نہیں۔ چپ رہو ___ گھبراؤ نہیں۔

اپنا حال تو کچھ اس شعر جیسا تھا کہ

گھر چھٹا یوں کہ چھوٹنے والے
ہم نہ تھے ان کے آستانے کے

وہ دن تھا۔ اور آج کا دن بدر القادری جہاں رہا، جس خدمت پر مامور رہا، حافظ ملت کی مقبول بیرون دعائیں مونس و غمخوار بن کر ساتھ رہیں۔ حافظ ملت کے اکثر مکاتیب میں یہ فقرہ ہوتا۔

"میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں" ___

فرمان ان کی عنایت و مہربانیات کے ذکر کرتے تھے۔

کچھ احباب ایسے ہوتے ہیں، جن کی ملاقات سے خوشی ہوتی ہے۔ کچھ ایسے ہیں، جن کا نامہ مسرت ہوتی ہے۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں، جن کے تصور سے شادمانی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور آپ انہی میں سے ایک ہیں۔

رجب [illegible] بہرائچ جامعہ عربیہ سید العلوم کے پتے پر حضرت کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا اس کا ایک جملہ ہے۔

کچھ احباب ایسے ہوتے ہیں جن کے تصور سے خوشی ہوتی ہے، انہی میں آپ بھی ہیں۔

بدر القادری تیرے لئے یہی کیا کم ہے کہ حافظ ملت نے تجھے اپنے غلاموں میں شمار کیا۔

تم نے جو کہہ دیا ہمارے در کا غلام ہے
میرا مزاج اور بھی شاہانہ ہو گیا

فراغت کے بعد

دستار بندی کے بعد حضرت نے فرمایا کم از کم دو سال اور میں اشرفیہ میں رکھ کر کام کا آدمی بنانا چاہتا ہوں۔ یہی فرمان محب مخلص مولانا محمد صادق [illegible] صاحب کے حق میں بھی صادر ہوا تھا۔ شوال ۸۳ھ میں ہم دونوں مبارکپور حاضر ہو گئے۔ ایک سال پورا ہوا، دوسرا سال شروع ہوا تو ناگہ

انتظار کیوں ہے، باعث والد صاحب حضرت کی خدمت میں مبارکپور پہنچے، والد نے پوچھا۔ حضور! مولوی بدر عالم تو فارغ ہو چکے ہیں۔ اب کسی شعبے میں لگا دیں۔ حضرت نے فرمایا۔ علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ مگر میں انہیں مزید دو سال پڑھانا چاہتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

والد صاحب نے گھر کی پریشانیاں اور اپنی کمزوری کے حالات حضرت سے بیان کئے شکر فرمایا۔ ان جیسے لوگوں کے لئے جگہ کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو انہیں پڑھانے کے لئے بھیج دیتا ہوں۔ اس کے بعد پہلی مرتبہ [illegible] میں بہار کی مشہور درسگاہ دار العلوم [illegible] میں پڑھانے بھیجا۔ کچھ دنوں بعد وہاں سے انگلینڈ جانے کا حکم فرمایا ___ گرامی نامہ پا کر میں انگلینڈ جا پہنچا۔ مگر انگلینڈ کا ماحول میرے مطابق نہیں تھا۔

بمبئی میں عاشورہ محرم کے اجلاس شروع ہونے والے تھے۔ مجھے اس کی دعوت ملی اور ادھر ۲ ذی الحجہ [illegible] کو دار العلوم [illegible] کے جلسے میں حافظ ملت کے تشریف لانے کی اطلاع ملی۔ میں بمبئی آ پہنچا۔ اور حضرت کو انگلینڈ کے حالات بتائے۔ اور جب اپنی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے میں نے عرض کیا کہ

حضور! وہاں تو بڑی بڑی ڈگریاں پڑھنے کے لئے آتی ہیں اس لئے میں وہاں نہیں جانا چاہتا ___ تو مسکرانے لگے ___ اور فرمایا مجھے آپ پر اعتماد ہے۔ اب آپ کو وہاں نہیں جانا ہے۔

___ اور اسی سفر میں مجھے باغ فردوس بھیونڈی کے منتظمین کی منشا پر وہاں رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد میں دہلی انجمن اہل سنت کا رابطہ جا پہنچا ___ اس کے بعد [illegible] ہالینڈ سنی ٹرسٹ میں دو تین ماہ رہا۔ بعد ازاں حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ کے کرم سے جامعہ عربیہ سید العلوم بہرائچ گیا۔ آخر میں موراواں ضلع [illegible] مدرسہ ضیاء الاسلام کے اندر خدمت تدریس انجام دے رہا تھا کہ حافظ ملت کی طلبی پر مبارکپور لوٹ آیا۔ [illegible] انگلینڈ کے پتے پر آئے ہوئے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں

مجھے آپ کی جدائی سے قلق ہے۔ یہ آپ کے والد صاحب کا کرم ہے۔ بہر حال آپ اپنی ادبی مشق جاری رکھیں۔

حضرت کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ میں اشرفیہ چھوڑ کر کہیں جا رہا ہوں۔ مگر ادب کا شوق ہے۔ حضرت مجھے ادبی مشق کی طرف ہمیشہ متوجہ فرماتے۔ اور ادب و انشاء میں مہارت حاصل کرنے کے لئے تحریر کرتے رہتے تھے۔ حضور حافظ ملت کا یہ وصف نمایاں تھا کہ وہ اپنے تلامذہ کے ذہنی رجحانات اور طبعی میلانات کا جائزہ لے کر جس فن میں دلچسپی لیتے ملاحظہ فرماتے اسی میں حصول کمال پر لگا دیتے۔ اور حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے۔

تحریری کام کی اہمیت

تصنیفی کاموں کی اہمیت حضرت کے سامنے مقام تھی۔ آپ کے سامنے علمائے اہل سنت کی کوئی نئی کتاب پیش کی جاتی تو دیکھ کر بے حد خوش ہوتے۔ اپنے تلامذہ اور نئے فاضلین کی قلمی صلاحیتوں کو سراہتے ___ فرماتے ___ تقریر سب سے آسان ہے۔ تدریس اس سے مشکل ہے۔ اور تحریر ان دونوں سے زیادہ مشکل ہے۔

مضمون نگاری کا شوق مجھے شروع سے رہا۔ ابتداءً واقعات و حکایات کو اپنے الفاظ میں لکھنے کی مشق کرتا تھا۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت، جس کے مدیران دنوں [illegible] مولانا ریحان رضا خاں صاحب تھے۔ حضرت کے پاس برابر آتا تھا۔ میں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے عشق رسول کی بابت اس رسالہ میں "سوز عشق پنہاں" کے عنوان سے ایک مضمون بھیجا تھا ___ ایک دن حضرت نے مجھے بلایا۔ حاضر ہوا تو دیکھا کہ سوز عشق پنہاں پڑھ رہے ہیں اور آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔ حب رسول کی تاب آنکھوں کے پیالے سے چھلک رہی ہے ___

بخدا نہ آب حیواں سے لگاؤ اس کی قیمت
جو نمی ہیں آنکھوں سے چھلکنے والا

میں نے دست بوسی کی ___ اور حضرت کی دعاؤں کا انبار لے کر لوٹا۔ حضرت نے قلمی مشق پر خصوصی توجہ دلائی۔ عرس اعلیٰ حضرت کا مہینہ قریب تھا۔ میں نے سید نا امام حسین

حافظ ملت ایک مشعل راہ

از ڈاکٹر دیوناتھ چترویدی۔ پی ایچ۔ ڈی بلیا

حضرت حافظ ملت مولانا عبد العزیز صاحب کا یہ قول ہے کہ "کامیاب انسانوں کی زندگی اپنائی جائے"۔ یہ قول بذات خود آپ پر بھی صادق آتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کامیاب انسان کو کسی خاص دائرے میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے کارنامے اور ان کا کردار سب کے لئے مشعل راہ ہوتا ہے۔ ایسی عظیم شخصیتوں سے ہر خاص و عام کو فیض پہونچتا ہے۔ ایسی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں کہ نہ صرف ان کی زندگی میں ہی بلکہ ان کے وصال کے بعد بھی بلا تفریق مذہب و ملت لوگ ان سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ حضرت حافظ ملت بھی انھیں بزرگ ہستیوں میں ہیں۔ جن کا فیض آج بھی مختلف صورتوں میں جاری ہے۔

حضرت حافظ ملت کی تعلیمی زندگی کا صحیح معنی میں آغاز مدرسہ معینیہ اجمیر شریف سے ہوا۔ اور وہیں آپ نے علوم و فنون کی تکمیل کی۔ حافظ ملت کے اساتذہ میں صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حافظ ملت کی شخصیت کی تعمیر میں صدر الشریعہ کا اہم حصہ ہے۔ بہار شریعت کے مصنف کی حیثیت سے حضرت صدر الشریعہ کا نام کون نہیں جانتا۔ جن کی یہ کتاب مذہبی معاملات میں مستند کا درجہ رکھتی ہے۔ ایسے اہل علم کی قربت میں حافظ ملت نے اپنی زندگی کا اہم حصہ گذارا۔ اور ان سے روشنی و ہدایت حاصل کی۔

یہ مشہور قول ہے کہ ہیرے کی پرکھ جوہری ہی کرتا ہے۔ عام آدمی اس بیش قیمت رتن کو کانچ سمجھ کر ٹھکرا دیا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی اپنی جگہ اتنی ہی صحیح ہے کہ جب ہیرے کی شناخت ہو جاتی ہے تو ناشناس لوگوں کو اپنے مغالطے کا پچھتاوا بھی ہوتا ہے۔ حضرت حافظ ملت جیسے بیش قیمت ہیرے کی شناخت حضرت صدر الشریعہ جیسے جوہری نے کی تھی۔ وہ ہیرا آج اپنی آب و تاب سے لوگوں کے دلوں کو منور کر رہا ہے۔

حضرت حافظ ملت ۲۹ شوال ۱۳۵۲ھ کو قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں تشریف فرما ہوئے۔ اور بہت ہی سکون کے ساتھ تدریسی خدمت انجام دینے لگے۔ لیکن یہ سلسلہ بہت دنوں تک نہ چل سکا۔ جیسے سونے کو آگ کی بھٹی میں تپ کر اپنی اصلیت ثابت کرنا پڑتا ہے۔ ویسے ہی آپ کی زندگی میں بھی اختلافات شروع ہو گئے۔ قدرت جس کو آگے بڑھانا چاہتی ہے اس کے سامنے طرح طرح کی مصیبتوں کو پیدا کر کے اس کو اتنا پختہ بنا دیتی ہے کہ پھر کسی بھی طرح کی مصیبت سامنے آنے پر دل پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضرت حافظ ملت کی زندگی بھی کچھ اسی طرح کی رہی۔ لوگوں نے طرح طرح سے ان کی راہ میں روڑے اٹکانے کی ہر چند کوششیں کیں۔ لیکن ساری کوششیں ناکام رہیں۔ کبھی دار العلوم اشرفیہ کی تعمیر جدید، کبھی خانگی مسائل، کبھی مالی دشواریاں، کبھی جماعتی سرگرمیاں، اور کبھی الجامعۃ الاشرفیہ کے مسائل۔ اس طرح دنیا کی نظروں میں آپ کی پوری زندگی انہیں سب پریشانیوں میں گذری۔ مبارکپور آ کر آپ نے دینی و تعلیمی خدمت کا جو سلسلہ شروع کیا۔ زندگی کے آخری لمحہ تک ان کو انجام دیتے رہے۔

حضرت حافظ ملت نے اپنی خدمات کو کسی ایک دائرے میں محدود نہیں رکھا۔ کیا تعلیمی، کیا تعمیری کسی بھی گوشے کو اچھوتا نہیں رہنے دیا۔ خاص طور پہ اپنے مسلک اہلسنت و جماعت کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا۔ اور علمائے اہل سنت میں اپنا ایک اہم مقام حاصل کیا۔ جہاں تک تعلیمی اور تعمیری کارناموں کی بات ہے اس کی ایک جیتی جاگتی مثال دنیا کے سامنے الجامعۃ الاشرفیہ عربک یونیورسٹی مبارکپور کی شکل میں موجود ہے۔ کسی بڑے کام کی بنیاد رکھتے وقت لوگ اکثر اپنی مالی حالت کو سب سے پہلے دیکھتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری باتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن حضرت حافظ ملت کی شخصیت کا حال کچھ الگ ہی تھا۔ اس قصبہ مبارکپور میں کبھی کبھی آپ کو فاقہ کشی کی بھی نوبت آئی۔ جس کو آپ نے نہایت ہی صبر و تحمل سے گذار دیا۔ اور اس وقت اس کا کسی سے ذکر تک نہیں کیا۔

دار العلوم میں اس وقت آمدنی کم تھی۔ اور خرچ زیادہ تھا۔ اس لئے مدرسین کی تنخواہیں بھی وقت سے دینا ممکن نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے آپ ہر مصیبت برداشت کرتے تھے لیکن اپنی زبان پر آپ نے کبھی حرف شکایت نہ آنے دیا۔ اس کی دو وجہیں میری سمجھ میں آتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ آپ کے استاذ محترم نے آپ کو خاص طور سے دینی خدمات کے لئے یہاں بھیجا تھا۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھنے والے انسان تھے۔ اس لئے ہر کام اللہ کی مرضی سمجھ کر کرتے تھے۔ پھر کسی انسان سے کسی بات کے لئے شکوہ شکایت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اپنے مشن میں اتنے منہمک رہتے تھے۔ یہی اطمینان حافظ ملت کی پہچان ہے۔ زندگی کے ہر مرحلے میں لوگ آگے بڑھتے گئے اور کامیابی سے ہمکنار ہوتے گئے۔ آپ نے ثابت کر دکھایا کہ مشعل راہ کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔

قدرت نے تمام کر دکھایا کہ انسان کے لئے بہتر کیا چیز ہے۔ حضرت حافظ ملت کو کچھ دنوں کے لئے قصبہ مبارکپور سے ناگپور بھی جانا پڑا تھا۔ لیکن آخر میں یہ شرف قصبہ مبارکپور کو ہی نصیب ہوا کہ حضرت حافظ ملت اسے اپنی خدمات سے نوازتے رہے۔ اور تادم حیات دار العلوم اشرفیہ سے وابستہ رہ کر تدریسی و دینی خدمات کی انجام دہی میں مشغول رہے۔

حضرت حافظ ملت نے قصبہ مبارکپور میں جو تعمیری خدمات انجام دیں۔ وہ قابل تقلید اور اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت حافظ ملت مسلمانوں کے اس وقت کے تعلیمی معیار کو دیکھ کر بہت ہی فکرمند تھے۔ خاص طور سے دینی تعلیم سے مسلمانوں کی غفلت اور بے توجہی پریشان کن تھی۔ ان کے ذہن میں شروع ہی سے ایک عربی یونیورسٹی کے قیام کا خاکہ موجود تھا جس کو انہوں نے ایک منصوبہ بنایا۔ نامساعد حالات کے باوجود اس عظیم کام کی ابتدا کی۔ مئی ۱۹۷۲ء میں حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے دست مبارک سے الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس کی تعمیر کے لئے کثیر رقم کی ضرورت تھی۔ اس کے ساتھ ہی بہت جانفشانی اور جد و جہد درکار تھی۔ کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت بھی کی۔ لیکن حضرت حافظ ملت نے کبھی حوصلہ نہیں ہارا۔ دل و جان سے اس مشن میں لگے رہے۔ آپ کی بے پناہ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اس عظیم الشان ادارے کو دیکھ رہے ہیں۔ جہاں دنیا کے ہر گوشے سے طلبہ آ کر علم کے اس سرچشمے سے سیراب ہو رہے ہیں۔ یہاں کے فارغ طلبہ دنیا کے ہر گوشے میں جا کر علم کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی حافظ ملت کے مشن کو فروغ دے رہے ہیں۔

حضرت حافظ ملت اپنے اصول کے پکے تھے۔ آپ کے دل میں ایک مدت سے یہ تمنا تھی کہ آپ زیارت حرم شریف سے مشرف ہوں۔ لیکن اس کے لئے پاسپورٹ کی ضرورت تھی۔ اور پاسپورٹ بنوانے کے لئے فوٹو کا ہونا ضروری تھا۔ دنیاوی آئین کے مطابق تو پاسپورٹ میں فوٹو کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن دینی آئین کے لحاظ سے فوٹو کا کھنچوانا حرام قرار دیا گیا ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ کسی فرض، واجب یا سنت کی ادائیگی کے لئے حرام کام کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن آپ کو اس بات کا بھی پورا بھروسہ تھا کہ اگر ہمارے دل میں خدا اور اس کے رسول کے لئے سچی محبت ہے تو کبھی نہ کبھی بارگاہ خداوندی اور دربار نبوی سے حاضری کا پروانہ ضرور ملے گا۔ وقت گذرتا گیا آخر کار وہ مبارک سال سنہ ۱۳۹۶ھ آ ہی گیا جب آپ کو بنا فوٹو کے ہی حج کے لئے سعودی اور ہندوستان کی سرکاروں نے منظوری دے دی۔ اور آپ کی تمنا پوری ہو گئی۔ اس طرح آپ نے دنیا کے سامنے ایک مثال پیش کر دی کہ اللہ اور رسول پر بھروسہ رکھنے والوں کے لئے دنیا میں کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ اس طرح حافظ ملت ہمارے لئے ایک مشعل راہ ہیں۔

حافظ ملت
عظیم تاریخ ساز شخصیت

ولادت سنہ ۱۳۱۴ھ

وفات سنہ ۱۳۹۶ھ

از مولانا محمد صابر القادری نسیم بستوی
مہتمم مدرسہ انوار الاسلام
سکندرپور ضلع بستی

ہوا تھی گو تیز و تند لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے تھے انداز خسروانہ

خالق کائنات اپنے جن بندوں کو قوم و ملت کی اصلاح و ہدایت کے لئے مخصوص و منتخب فرما لیتا ہے ان کو نہایت مستحکم و بلند اخلاق و کردار کا پیکر بنا کر دنیا میں بھیجتا ہے اور اس کے ساتھ ہی انھیں جرأت عمل اور قوت فیصلہ کا ایک ایسا جبل مستقیم اور فولادی چٹان بنا دیتا ہے جس کو حکومت و اقتدار کی زبردست سے زبردست طاقتیں بھی مغلوب و مسخر نہیں کر سکتیں۔ خداداد فضل و کمال کی حامل یہی وہ شخصیتیں ہیں جو اپنے دینی، علمی، روحانی اور قومی کارناموں کی وجہ سے تاریخ اسلام میں ممتاز و نمایاں مقام حاصل کر کے ہر طبقہ میں ان کا تذکرہ اور نہ صرف یہ کہ عوام و خواص کے ہر طبقہ میں ان کا تذکرہ عزت و احترام سے کیا جاتا ہے۔ بلکہ ایک عالم ان کی حیات و شخصیت کو چراغ رہگزر و مشعل راہ کی حیثیت دیکر اس کے اجالوں میں زندگی کا سفر طے کرنے میں نہایت فخر و مسرت محسوس کرتا ہے اور اس یقین کے ساتھ قدم بڑھاتا رہتا ہے کہ وہ منزل مقصود سے ایک دن ضرور ہم کنار ہو کر رہے گا ؂

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

حافظ ملت حضرت علامہ الحاج مفتی شاہ عبدالعزیز صاحب قبلہ مرادآبادی علیہ الرحمۃ (شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور و بانی الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی) انھیں تاریخ ساز شخصیتوں میں سے ایک عظیم و مقتدر شخصیت تھے جن کی ذات عالی صفات میں اخلاق و کردار، عادات و اطوار اور ایک عالم حق شعار کی وہ جمیلہ خوبیاں بدرجۂ اتم و اکمل جمع ہو گئی تھیں جو دینی و قومی رہبر و رہنما و میر کارواں کے لئے لازمی ہوا کرتی ہیں یعنی ؂

نگہ بلند، سخن دلنواز و جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

حافظ ملت کے خاندانی بزرگوں اور درسگاہوں کے اساتذہ نے آپ کے بچپن اور دور طالب علمی (۱۳۳۹ھ تا ۱۳۵۱ھ) ہی میں آپ کی شخصیت میں چھپے ہوئے جوہر کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔ بعض حضرات نے اظہار خوشی کرتے ہوئے پیشین گوئی بھی فرما دی تھی کہ آج کا یہ ذرہ کل اسلامی دنیا میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے گا۔ اس وقت یہ ایک نقطہ دکھائی دیتا ہے لیکن جیسے جیسے وقت گزرے گا یہی نقطہ وسیع دائرہ کی شکل اختیار کر کے ہزاروں، لاکھوں دلوں کا احاطہ کرے گا۔ بزرگوں کی پیشین گوئیاں پوری ہوئیں اور ان کی دعائیں درِ اجابت تک پہونچیں اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خاندان کے لوگوں، اساتذہ و تلامذہ ہمعصر علماء و مشائخ اور مریدین و معتقدین ہی نے نہیں بلکہ عالم اسلام و سنیت نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور برسہا برس تک مشاہدہ کیا کہ آپ نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کی ترویج و اشاعت، قوم و ملت کی تعمیر و تنظیم، تلامذہ کی تعلیم و تربیت، مریدین و متوسلین کی اصلاح و ہدایت اور جماعت اہلسنت کی ترقی و سربلندی کے لئے وہ پائیدار و اہم کردار ادا کیا جس پر پوری دنیائے اسلام ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ بلاشبہ حافظ ملت قوم کے عظیم محسن بنکر جہاں میں تشریف لائے تھے جن کے بار احسان سے ہماری گردنیں جھکی رہیں گی۔

حافظ ملت کے نورانی و پُر وقار چہرہ سے عالمانہ جاہ و جلال بھی چمکتا تھا اور درویشانہ حسن و جمال بھی جھلکتا نظر آتا تھا۔ یعنی آپ کی ذات

گرامی شریعت وطریقت کی ایک خوبصورت
سنگم تھی۔ آپ درسگاہ کے نہایت ماہر
وتجربہ کار مدرس ومعلم بھی تھے۔ اور
خانقاہ کے حق آگاہ خداشناس اور صاحب
زہد وتقویٰ شیخ طریقت بھی لیکن آپ
کی حیات مقدسہ کا زیادہ حصہ درسگاہ کی
خدمت میں گزرا۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ
کے ہم درس علماء کرام اور معاصرین کا
بیان ہے کہ آپ اپنے زمانۂ حصول تعلیم
میں بھی عام طالب علموں کی ہنگامی و
آزادانہ روش سے ہٹ کر بہت ہی
متانت وسنجیدگی کی زندگی گزارتے تھے
اور صبح وشام کے اکثر اوقات میں زیادہ
تر زیر درس کتابوں کے مطالعہ میں
مصروف اور ایک باعمل مسلمان کیطرح
رہتے۔ بیجا ہنسی مذاق اور عام تفریحات
سے ہمیشہ مجتنب وگریزاں رہتے۔ آپ
فطری طور پر نہایت متین، سنجیدہ اور
سلیم الطبع واقع ہوئے تھے۔ اسوقت
حافظ ملت کی تمام تر توجہ ودلچسپی بس
پڑھنے لکھنے تک محدود تھی اور ذہن و
فکر میں علم وفن کی طلب وجستجو کا احساس
وخیال برابر جاگزیں رہتا تھا۔ اسلامی
علوم وفنون کے بیش بہا جواہر پارے
اور بہترین اخلاق وعمل کی دولت حافظ
ملت اپنے اساتذۂ کرام کی بارگاہوں
سے خوب جی بھر کر دامن میں بھرتے رہے
اور دیکھتے دیکھتے وہ ایک دن بہت بڑا
خزانہ بن گئے۔ قادر مطلق ومالک
حقیقی کے بے پناہ فضل وکرم کی بارش
حافظ ملت پر اس لئے کی گئی کہ جب
انھیں ایک نورانی پُرشکوہ جشن دستار
فضیلت میں وقت کے عظیم المرتبت و
جلیل القدر مشائخ وعلماء کے بابرکت
ہاتھوں سے اعزازی دستار وسند تکمیل
عطا کی جائے گی اور وہ ایک ذمہ دار
عالم دین ونائب سید المرسلین صلی اللہ
علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین کی حیثیت
سے قوم کے سامنے تشریف لیجائیں گے
اور ان کی درسگاہ میں طالبان علوم
اپنا اپنا خالی دامن لے کر حاضر ہوں
گے تو وہ اس خزانۂ علوم وذخیرۂ
فنون سے سب کا دامن بھر دیں گے ؎

وہ علم وفضل کے تھے ایک موجزن دریا
کہ جس سے ہوگئی سیراب تشنہ لب دنیا

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ
نے حضرت صدر الشریعہ جیسے وقت
کے بلند پایہ ومایۂ ناز فقیہہ وعالم کی
درسگاہ میں دس سال تک علوم
ظاہری وباطنی حاصل کئے اور اس
سرچشمۂ علم ومعرفت سے خوب خوب
سیراب وفیضیاب ہوئے اور انتہائی
مشفق وجوہر شناس استاذ کی آغوش
تربیت میں پل کر علمی وروحانی کمال
وخوبی میں نادر روزگار بن گئے۔
فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت
صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں
حاضر ہوئے ان سے گفتگو شروع
ہوئی تو حضرت نے فرمایا:

"میں ادھر ادھر رہا
میرا ضلع خراب ہوتا رہا
لہٰذا تم مبارک پور
چلے جاؤ"۔

آپ نے جواب دیا:

"حضور میں ملازمت
نہیں کروں گا"۔

فرمایا "میں ملازمت کے لئے نہیں
کہہ رہا ہوں میں تو خدمت دین کے لئے
کہہ رہا ہوں!" آپ نے سر تسلیم خم کیا
اور مبارکپور روانہ ہوگئے۔ اس وقت
اشرفیہ ایک پرانی خام عمارت کی شکل
میں تھا۔ میزان، پنج گنج، نحو میر اور
آمدنامہ وغیرہ تک کی تعلیم تھی۔ حضرت
حافظ ملت کے پہونچتے ہی چاروں طرف
سے تشنگان علوم ٹوٹ پڑے۔

(ماہنامہ فیض الرسول حافظ ملت
نمبر مئی، جون سنہ ۱۹۷۷ء)

حافظ ملت علیہ الرحمۃ اور آپ
کے ایثار پسند وجاں نثار معاونین و
مخلصین طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد اور
مزید اساتذہ کی ضرورت محسوس کر کے
دار العلوم اشرفیہ کی عمارت کی طرف
متوجہ ہوگئے۔ مبارکپور کے سنی مسلمانوں
سے اس کے لئے اپیل کی گئی تو انھوں نے
پورے جوش وجذبہ کے ساتھ ایسا مالی
تعاون پیش کیا جو آب زر سے لکھنے کے
قابل اور دیگر مقامات کے برادران
ملت اسلامیہ کے لئے لائق تقلید ہے
اس دور میں آج کی طرح مبارکپور کے
مسلمان خوشحال اور صاحب دولت و
ثروت نہیں تھے لیکن اس حال میں بھی
ہر محلہ کے لوگوں نے دار العلوم اشرفیہ کی
تعمیر میں دامے، درمے، سخنے، قدمے ہر
طریقہ سے اپنی خدمات اس قدر فیاضی
دریا دلی اور فراوانی کے ساتھ پیش
کیں کہ اس نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں
کے بے پناہ جذبۂ ایثار وقربانی کی یاد
تازہ کر دی۔ بعض لوگوں نے دین کی محبت
میں سرشار ووارفتہ ہو کر اپنا سارا
زر نقد لٹا دیا اور انھیں یہ بھی ہوش نہ

وہ ہاکر ان کے بال بچوں کا کیا ہو گا ؎
فدا کردے جو بہر دین و ملت ... ل و زر اپنا
وہ لیکر جائیگا خلد بریں میں گھر کا گھر اپنا

عطیہ میں سامان، زیورات اور روپے امید سے کہیں زیادہ قصبہ کے مسلمانوں نے پیش کر دیئے تھے۔

سنگ بنیاد رکھنے کی تاریخ مقرر کی گئی اور دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کی عمارت کا سنگ بنیاد شیخ المشائخ حضرت سید علی حسین صاحب اشرفی میاں علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنے بابرکت و نورانی ہاتھوں سے رکھا اور اس کی تکمیل کے لئے دعاء فرمائی۔ آپ کے بعد موجود علماء اور سربرآوردہ حضرات نے اس میں شرکت کی۔ مبارکپور کے بیدار مغز پُرجوش اور حوصلہ مند نوجوانوں نے تعمیر میں دن رات ایسی لگن سے کام کیا کہ چند ہفتوں میں دار العلوم کی عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس پر بھی حافظ ملت علیہ الرحمہ مطمئن و پُرسکون ہو کر نہیں بیٹھے آپ کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ قصبہ کے باہر ایک ایسی وسیع و عریض عمارتوں کا پُرشکوہ و نہایت خوبصورت شہر بسایا جائے جو عربی یونیورسٹی کے شایان شان ہو۔ ظاہر ہے کہ اتنا اہم اور مشکل کام انجام تک پہونچانا آسان نہیں تھا لیکن حافظ ملت علیہ الرحمہ جہدِ مسلسل و سعیٔ پیہم کے باہمت مجاہد اور جانباز سپاہی تھے اس لئے ظاہری اسباب و ذرائع کی پروا کئے بغیر بس خدا و رسول عز و جل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل و کرم اور اپنے مشائخ طریقت کی روحانیت کے سہارے قدم اٹھا دیا۔ چونکہ آپ کا یہ عزم و ارادہ اور جذبۂ خدمتِ دین اخلاص و نیک نیتی سے بھرپور تھا اس لئے اس کا حوصلہ بخش رنگ و اثر ظاہر ہو کر رہا اور وہی منظر سامنے آیا کہ ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کی تعمیر و تنظیم کی راہ میں حافظ ملت اور آپ کے وفادار و جاں نثار رفقاء کو بڑی بڑی صبر آزما ہمت شکن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔ غیروں نے کم اور اپنوں نے زیادہ آپ کو اس راہ سے ہٹانے کی انتھک کوشش کی، اشرفیہ کے خاص حلقوں میں آپ کے خلاف فضا خراب کی گئی، طوفانی ہوائیں چلیں اور تیز و تند آندھیاں آئیں۔ لیکن حافظ ملت علیہ الرحمہ نے "الجامعۃ الاشرفیہ" کے نام سے جو چراغ روشن کئے تھے ان کی ایک بار بھی کوئی لو تک نہیں تھرتھرائی بلکہ ان کی روشنی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ آپ کے زبردست مجاہدانہ عزم و عمل کی ایک ٹھوکر سے پہاڑوں اور چٹانوں جیسی مضبوط و مستحکم شخصیت کے مالک زمین پر منھ کے بل گر کر ڈھیر ہو گئے اور بڑے بڑے تناور درخت جڑوں سے اکھڑ کر آپ کی قدم بوسی کرنے لگے ؎

ہنستا ہوا کہسارِ حوادث سے گزر جا!
پھر دیکھ کہ تیرے لئے میدان بہت ہیں

جماعت اہلسنت کے متعدد تعلیمی اداروں نے بھی عربی یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے تحریک چلائی، جلسے اور کانفرنسیں منعقد کیں۔ اپنے حلقۂ اثر میں طوفانی دورے کئے اور قوم سے پُرزور اپیل کی لیکن انھیں اپنے مقصد میں پوری طرح کامیابی نہیں مل سکی اس معاملہ میں بھرپور تعاون حافظ ملت کو حاصل ہوا اور اولیت کا درجہ بھی آپ ہی کو دیا گیا بفضلہ تعالیٰ آج الجامعۃ الاشرفیہ اپنی جہاں تاب عظمت و شوکت کے ساتھ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے بے پناہ جذبۂ خدمت دین کی درخشاں و نمایاں تصویر پیش کر رہا ہے۔ حضرت کو اپنے اس تعلیمی ادارہ سے کس قدر عشق اور گہرا لگاؤ تھا اس کا اندازہ آپ کے حسب ذیل پُرجوش کلمات سے لگایا جا سکتا ہے۔

"میں پیدا ہی کیا گیا تھا اشرفیہ کے لئے اسی کیلئے زحمتیں برداشت کرتا ہوں اور اسی میں مرجانا ہے۔"

ایک مرتبہ تو جلال و جمال کے ملے جلے انداز میں یوں فرمایا۔

"اشرفیہ کو میں نے پسینے سے نہیں اپنے خون سے سینچا ہے۔"

(ماہنامہ "فیض الرسول" مئی جون ۱۹۸۷ء حافظ ملت نمبر)

حافظ ملت علیہ الرحمۃ دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کے مایہ ناز شیخ الحدیث اور الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی و سربراہ اعلیٰ ہونے کے ساتھ ہی ایک کامیاب و دردمند واعظ و خطیب اور صاحب علم و تحقیق مصنف بھی تھے۔ آپ کی درسگاہ کے فیض یافتہ و پروردہ ہزاروں طلبہ

ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور جہاں کہیں ہیں اپنے اپنے علم و فن میں بہت ہی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ حافظ ملت بظاہر ہمارے درمیان نہیں لیکن آپ نے قوم و ملت کی فلاح و بہبودی اور ترقی و سربلندی کے لئے جو زبردست و شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں خصوصاً الجامعۃ الاشرفیہ کی شکل میں ہمیں جو قابل فخر سرمایہ عطا فرمایا ہے۔ اس نے حافظ ملت علیہ الرحمہ کو حیات جاوداں بخشدی ہے جس سے دنیائے اسلام و سنیت میں آپ کا نام صبح قیامت تک نہایت عزت و احترام سے لیا جائے گا۔ اور آپ کے چشمۂ علم و عرفاں سے سیراب و فیضیاب ہونے والے تمام لوگ آپ کی پُرعظمت بارگاہ میں ہمیشہ خراج عقیدت پیش کرتے رہیں گے ؎

وہ کئے ہیں حافظ ملت نے کام
حشر تک زندہ رہے گا ان کا نام

نتیجۂ فکر شاعر اسلام بیکل اتساہی عزیزی

بہار فضیلت کا گیسو سنوارے
کھلے گلشن اشرفی کے نظارے
نگاہیں جھکا لیں زمانے کے فتنے
چلے آج سج کے عزیزی دلارے

•

یہ جشن دستار فضیلت، کیف کا عالم زندہ باد
اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم زندہ باد
} حضرت مفتی اعظم

کل تو نگاہیں دیکھ رہی تھیں راستہ لیکن آجکی رات
بڑھ گئی محفل ذکر کی زینت، بزم منظم زندہ باد

جلوۂ گہہ سرکار کچھوچھہ، جس کو کہیں یہ وہ ہے زمیں
اہل مبارکپور کی قسمت برکت پیہم زندہ باد

آج تو باغ اشرفیہ میں فصل بہاراں جھومی ہے
غنچہ غنچہ نازش نکہت پیار کی شبنم زندہ باد

مونس یاراں، صوفیٔ دوراں قبر خدا کے یار بھی آپ
سب کے سروں پہ سایہ سلامت شاہ مکرم زندہ باد
} شاہ یار علی براؤں شریف

علم کا دریا پیار کا ساغر، ناز کرے جس پر اخلاق
پیکر شفقت، حافظ ملت، فیض مجسم زندہ باد
} حضور حافظ ملت

بلبل گلشن صدر الافاضل نغمۂ نعت کو چھیڑ گیا
یعنی سراپا خلق و عنایت، حضرت اکرم زندہ باد
} مولانا نذیر الاکرم

سر پہ نہیں دستار یہ سمجھو، بوجھ ہے ذمہ داری کا
علم و عمل ہے شمع ہدایت، دین کا پرچم زندہ باد

سیپ سی ہر اک آنکھ کھلی ہے دل ہر گل کی صورت میں
ہونے لگی ہے بارش رحمت، جھم جھم جھم جھم زندہ باد

بیکلؔ لاکھ ہو دنیا دشمن نعت نبی پڑھتے رہنا
سر اپنا کونین کی دولت کردیگی خم زندہ باد

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

حافظ ملت کی حیات و خدمات پر متعدد جہات سے نظر جاتی ہے، اور ہر اعتبار سے وہ بلند پایہ قابلِ اتباع اور پس رَوؤں کے لئے مشعل راہ نظر آتے ہیں، اور ہر پہلو کا تقاضا ہوتا ہے کہ اسے اُجالے میں لایا جائے اور اس سے اکتساب فیض و نور کا سامان کیا جائے گویا ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

لیکن تمام گوشوں اور شعبوں سے بآسانی و باختصار عہدہ برآ ہونے کی بر وقت کوئی صورت ذہن میں نہیں آئی، اس لئے میں نے درسگاہی ماحول میں ان کے کردار و عمل پر نظر ڈالنے کی کوشش کی ہے، اگرچہ وہ صرف اسی ماحول کے پابند نہ تھے۔ ان کی خانگی زندگی، شہری زندگی، عابدانہ زندگی، دعوتی و تبلیغی زندگی، سیاسی زندگی وغیرہ ہر ایک پر بسط و تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے۔

تعلیمی ماحول میں انھیں تین طرح سے دیکھا جاسکتا ہے۔

(۱) بحیثیت استاذ و مدرس۔
(۲) بحیثیت صدر المدرسین۔
(۳) بحیثیت صدر مجلسِ عاملہ و سربراہ اعلیٰ (بحیثیت طالب علم کہیں ضمناً بیان کروں گا اسی کو مستقل سمجھیں)

بحیثیت مُدرِس

ایک مدرس کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا پابند ہو، متعلقہ اسباق پوری ذمہ داری سے پڑھائے، نصاب کی تکمیل کرے کتاب کے مضمون کو دلنشین اور مؤثر طور پر طلبہ کے ذہن میں اتارے، طلبہ کی علمی ترقی، اخلاقی بلندی، عملی میدان میں کامیابی اور دینی و عملی خدمات میں فعالی کے لئے کوشاں رہے۔ اور ان کے ذہن و فکر، قلب و مزاج، اخلاق و کردار ہر ایک کی اصلاح کے ساتھ انھیں مردانِ کار کی صف میں نمایاں مقام پر لاکھڑا کردے۔

پابندیٔ اوقات

حافظ ملت کو ہم نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ جب وہ مبارک پور تشریف فرما ہوتے، ٹھیک وقت پر مدرسہ تشریف لاتے اور آتے ہی کام میں لگ جاتے، تضییع اوقات اور خوش گپیوں کے لئے ان کی عام زندگی میں بھی کوئی خانہ نہ تھا، تعلیمی اوقات میں اسے کب روا رکھتے۔ طلبہ بھی وقت پر درسگاہ میں حاضر ہو جاتے اور تین چار منٹ تاخیر بھی حضرت پر سخت گراں گزرتی ایک بار مدارک شریف کے سبق میں ہم لوگ تین چار منٹ کی تاخیر سے پہونچے تو سخت برہم ہوئے اور باز پرس فرمائی کہ دیر کیوں کی؟ جواب کسی کے پاس نہ تھا اس لئے کہ کسی ضروری کام میں مصروفیت یا کوئی معقول عذر تو تھا نہیں جسے پیش کر سکتے، چار منٹ کا وقفہ ان کی درسگاہ کے سامنے ہی بیکاری میں گذرا تھا۔ میں نے تو سمجھا نہ کوئی

اس سوال کا جواب دے گا نہ اس کے بغیر حضرت سبق پڑھائیں گے، اور آج یونہی واپس جانا ہوگا، خیر ہمارے ایک رفیق درس (مولانا نصیر الدین صاحب) کو آخری بات سمجھ میں آگئی۔ عرض کیا "معاف فرمائیں آئندہ ایسا نہ ہوگا" اتنا سننے کے بعد حضرت کا چہرہ بدل گیا، "ہاں" کہا اور سبق شروع کرادیا، ایسے ہی ایک بار ملا حسن کے درس میں مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کے یہاں تاخیر ہوگئی تھی انھوں نے کبھی اس کا بڑا سخت نوٹس لیا۔ بس یہی دو اتفاق ایسا ہوا اور سخت تنبیہ سے دوچار ہونا پڑا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان ذمہ دار اساتذہ کو نہ اپنے وقت کا ضیاع گوارا تھا، نہ طلبہ کے وقت کی بربادی وہ دیکھ سکتے تھے۔ ان حضرات کا بڑا زبردست مجاہدہ یہ تھا کہ ادارہ کے غیر تعلیمی کاموں کو ہمیشہ غیر درسی اوقات میں ہی نپٹانے کوشش کرتے تھے۔ خواہ اس کے لئے جو بھی صعوبت جھیلنی پڑے۔ مگر اسباق کا ناغہ گوارا نہ تھا۔

طریقۂ تعلیم

حافظ ملت کا طریقۂ درس یہ تھا کہ کسی طالب علم سے پہلے عبارت پڑھواتے، عبارت خوانی میں کوئی غلطی ہوتی تو اس پر تنبیہ فرماتے، کوئی بڑی غلطی ہوتی تو بہت خفا ہوتے۔ عبارت خوانی کے بعد پورے سبق کی ایک مختصر اور جامع تقریر کرتے اسی تقریر سے بہت سے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا جواب بھی ہوجاتا۔ اس کے بعد عبارت کا سلیس ترجمہ حسب موقع توضیح وتنبیہ کے ساتھ مکمل کردیتے اگر کوئی طالب علم کوئی سوال کرتا تو بہت مختصر الفاظ میں تشفی بخش جواب دیدیتے جو کتاب پڑھاتے پوری مہارت اور ذمہ داری سے اس کا حق ادا کرتے۔ اور جو سوال ہوتا فوراً اس کا جواب بھی دیتے، ایک بار خود فرمایا۔

"کبھی ادھار نہ رہا" بعد میں اس کی وضاحت فرمائی کہ ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم نے کوئی ایسا سوال کردیا جس کا معقول اور تشفی بخش جواب مدرس کے ذہن میں نہیں تو کہہ دیتا ہے "کل بتاؤں گا" حضرت نے فرمایا کہ میرے یہاں "کل بتاؤں گا" والا معاملہ کبھی نہ ہوا۔

اس استحضار اور مہارت کے پس منظر میں وہ بتاتے کہ دور طالب علمی میں میرا طریقہ یہ تھا کہ جتنے اسباق پڑھتے ہوئے سب مطالعہ میں حل کرتا، اس کے متعلق اعتراضات وجوابات پر غور کرتا، پھر درسگاہ میں حاضری ہوتی اور وہاں جو بتایا جاتا بغور سنتا، جو سوال ذہن میں ہوتا اگر درس سے اس کا جواب حل نہ ہوا تو پوچھ کر جواب حاصل کرتا، پھر روزانہ ہر سبق کا اعادہ اور اس کی تکرار رفقائے درس کو کراتا، پھر آئندہ سال وہ اسباق نیچے والی جماعت کے طلبہ کو بطور اعادہ وتکرار پڑھاتا، اس طرح ہر کتاب اور ہر سبق پڑھنے ہی کے زمانے میں متعدد بار نظر سے گذر چکا ہے، دو بار مطالعہ ودرس کے طور پر، اور دو بار تکرار اور پڑھانے کے طور پر۔ ان کے درس میں اصلاح وتربیت کا عنصر بھی کارفرما ہوتا، اور علمی نکات کے ساتھ عمل کے جذبات بھی طلبہ میں منتقل کرتے، فکری اور اعتقادی رسوخ اور پختگی بھی ان کا مطمع نظر ہوتا، اسلام کی صداقت، اہلسنت کی حقانیت، منکرین اسلام کی بے ثباتی اور گمراہ فرقوں کا بطلان وہ بڑے مؤثر مدلل اور واشگاف طور پر بیان فرماتے۔

تکمیل نصاب کی فکر

درسی تقریر کے ایجاز اور جامعیت کے باعث تقریری جلسوں سے متعلق ناغوں کے باوجود ان کے یہاں مقدار تعلیم زیادہ ہوتی خصوصاً بخاری شریف کی دونوں جلدیں ہمیشہ ختم کراتے اور یہ ختم کبھی اس طرح نہ ہوتا جیسا کہ بعض درسگاہوں کا رواج ہے کہ محض عبارات واحادیث کی قراءت ہوجاتی اور کسی نے کچھ پوچھ لیا تو بتادیا گیا، ورنہ عبارت خوانی ہی پر درس مکمل ہوگیا۔ بلکہ حافظ ملت ہر سبق کی مناسب اور جامع تقریر کرتے، بخاری کے آخری پاروں میں جہاں احادیث عموماً سابقہ پاروں میں بار بار گزری ہوئی ملتی ہیں کم از کم ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت اور تطبیق چند لفظوں میں ضرور بتادیتے۔

حاضری پر نظر

طلبہ خصوصاً پڑھنے والے طلبہ کی حاضری پر بھی نظر رکھتے۔ ایک بار میں جمعرات کے بجائے جمعہ کی صبح کو گھر جارہا تھا، جونہی گیٹ کے قریب ہوا حافظ ملت سے ملاقات ہوگئی، نہ معلوم کس ضرورت سے اس دن جمعہ کو مدرسہ تشریف لانا ہوا، فرمایا، آج جارہے ہو تو پھر کل؟ میں نے عرض کیا رات کو مشتی بزم میں شرکت کے پیش نظر کل

نہ جاسکا (اس وقت ہم چند رفقائے درس عنوانات کے تحت تقریر وتحریر کی مشقی بزم چلاتے تھے اور ذمہ داری کی وجہ سے رکنا پڑتا) دوسرے دن سنیچر کو میں گھر سے بہت سویرے چلا، سواری تو دن میں بھی کبھی ملتی کبھی نہ ملتی، اتنی صبح سویرے ملنے کا تصور بھی نہ تھا، اس لئے ابراہیم پور چھوڑ کر ایک دوسرے شارٹ راستہ سے چلا، پہلی گھنٹی حضرت ہی کے یہاں تھی، عبارت خوانی کے دوران پہونچ گیا، سبق کے بعد حضرت نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے موجود پایا، اور بہت خوش ہوئے۔ یوں بھی ناغے کی عادت نہ تھی مبارک پور کے پورے تین سالہ ایام تعلیم میں کل غیر حاضری بیس دن سے زیادہ نہ ہوگی جس میں دو تین دن کسی ضرورت کے تحت اور باقی سخت علالت کے تحت ہے،

صلاحیتوں سے آگاہی کا شوق

حافظ ملت کو اس کی بھی فکر ہوتی کہ طلبہ میں اچھی صلاحیت پیدا ہو اور صلاحیت کا جائزہ لینے کے دو موقعے ہوتے تھے امتحان ششماہی جو دارالعلوم کے مدرسین لیتے اور امتحان سالانہ جس کے لئے ہمیشہ ماہر متبحر علماء کا انتخاب کیا جاتا۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی تشریف آوری ضروری تھی، بعض اساتذہ یہ چاہتے کہ ان کے زیر تدریس کتابیں صدرالشریعہ کے یہاں امتحان کے لئے نہ جائیں اس لئے کہ دوران امتحان اگر طلبہ نے اچھے جوابات نہ دیئے تو وہ پوچھتے کس کے یہاں پڑھا ہے اور پھر وہیں مدرس کو طلب کر کے فرماتے کیا پڑھایا ہے؟ کوئی سمجھانے کا جواب دینے والا نہیں۔

مگر حافظ ملت کی کتابیں صدر الشریعہ کے یہاں جاتیں اور خود انھیں طلبہ کے جوابات سننے کا شوق ہوتا، تاکہ طلبہ کی صلاحیت کا بھی اندازہ ہو اور اس کی روشنی میں آئندہ تدریس وتربیت کی ارتقائی راہ بھی متعین ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں صرف ڈیوٹی نبھانا اور کسی طرح وقت گزارنے سے مطلب نہ تھا، بلکہ وہ ایک بلند مقصد، وسیع میدان عمل اور عظیم تعلیمی وتربیتی نظریے کے تحت اس شعبہ کے ایک بیدار مغز اور متحرک وفعال رکن کی حیثیت سے جادہ پیما تھے۔

طلبہ کی ہمدردی وغمگساری

انفرادی طور سے بھی طلبہ کو تحصیل کمال کی راہیں بتاتے اور اجتماعی طور سے بھی ان میں تعلیم وعمل کا شوق بیدار رکھتے۔ طلبہ کے شہری وخانگی حالات ثروت وغربت، ضرورت وحاجت کا بھی اندازہ رکھتے اور ایک شفیق باپ کی طرح ان کی ہمدردی وغمگساری بھی فرماتے، بعض طلبہ کی پوری کفالت بھی اپنے ذمے لیتے، جس کی کچھ تفصیل ایک دوسرے مضمون میں لکھ چکا ہوں۔

رجحانات سے آگاہی اور مناسب رہنمائی

طلبہ مختلف ذوق و رجحان کے حامل ہوتے ہیں، بعض کو شعر وسخن سے ذوق ہوتا ہے، بعض تقریر وخطابت کے دلدادہ ہوتے ہیں بعض تجوید وقرأت کی مہارت چاہتے ہیں۔ بعض تصنیف وتحریر کا شوق رکھتے ہیں۔ عام مدرسین کو ان رجحانات و خواہشات کا اندازہ نہیں ہوتا مگر حافظ ملت کی نگاہ ایسی باریک بیں اور ذہن استاد درس تھا کہ وہ کسی نہ کسی گوشے سے ان رجحانات کو بھانپ لیتے اور زمانہ طالب علمی میں تو شاعری سے منع کرتے لیکن باقی شعبوں کیلئے حوصلہ افزائی اور مناسب رہنمائی سے نوازتے۔ مقصد یہ تھا کہ طلبہ صلاحیتوں کو صحیح رخ پر لگایا جائے اور ہر میدان کے آدمی پیدا کئے جائیں۔

حوصلہ افزائی

آج تمام ماہرین تعلیم وتربیت کا اس پر اتفاق ہے کہ مار پیٹ کر پڑھانے اور زدوکوب کے ذریعہ سدھارنے کا طریقہ فرسودہ ہی نہیں مضر اور غلط بھی ہے۔ بچوں کی نفسیات کا جائزہ لیا جائے تعلیم ودرستی سے ان کے انحراف کے اسباب معلوم کئے جائیں۔ اور ان اسباب کا علاج کیا جائے جن سے فاسد صورت رونما ہو رہی ہے، طلبہ کے فکر ومزاج کو صحیح ماحول میں ڈھالا جائے اور اجتماعی وانفرادی طور پر ہر ایک کیلئے مناسب تدابیر عمل میں لائی جائیں وہ خود ہی اچھی روش پر آجائیں گے اور میدان عمل کے فعال رکن بن سکیں گے۔ ان تدابیر میں طلبہ کو مایوسی وپست ہمتی سے بچانے اور ان کے حوصلے بڑھانے کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

حافظ ملت کی زندگی میں حوصلہ افزائی کے شواہد بڑی کثرت سے ملیں گے بعض کم فہم لوگوں کو ان کے ہمت افزا کلمات سے اپنے بارے میں غلط فہمی بھی پیدا ہو جاتی۔ اور بعض جان بوجھ کر بھی مناسب فائدہ اٹھانے کی راہ نکالتے۔ مگر بالغ نظر اور بلند حوصلہ افراد ہمیشہ اس کا

مطلب یہی سمجھتے کہ حضرت یہ اس لئے فرما رہے ہیں کہ ہم کچھ کرتے رہیں۔ اور کسی لائق بنیں۔ تاہم اس کا عام فائدہ یہ ہوتا کہ کوئی مایوسی کا شکار نہ ہوتا، اور محنت و عمل کے جذبات کو بڑی توانائی ملتی، اور یہ خیال قطعًا نہ ہوتا کہ میں کسی لائق ہوں نہ ہو سکتا ہوں، دراصل یہ تصور ہر ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے جب کہ ہمت و حوصلہ ترقی کا بہت مضبوط زینہ ہے۔

جوہر آشنائی

دوسری چیز یہ ہے کہ ہر انسان میں کوئی خوبی اور کوئی کمال بھی ہوتا ہے ہر شخص کی کوئی انفرادی خصوصیت اور اسکا کوئی خاص درجہ بھی ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میری خوبی سے لوگ آشنا ہوں، میرے درجہ اور کمال کا اعتراف کم از کم میرے مخلص و مہربان افراد کی زبان سے ادا ہو۔ مگر ہر انسان کی انفرادی خوبی کا پتہ لگانا، اس کے خاص درجہ سے آگاہ ہونا، اس کے بعد سینے میں اتنی وسعت زبان میں اتنی بلاغت کہ مناسب انداز و الفاظ میں اس خوبی و رتبہ کا اظہار بھی ہو، بڑی دقت نظر اور وسعت ظرف والوں ہی کا حصہ ہے، اور اس خصوص میں حافظ ملت کا مقام بہت بلند ہے۔

میں بڑی سچائی کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ حافظ ملت کا کمال یہ تھا کہ وہ راکھ کے ڈھیر سے بھی سونے کے ٹکڑے چن لیتے تھے اور ہمارا کمال یہ ہے کہ سونے کے ڈھیر میں بھی راکھ کے ذرے دیکھ لیتے ہیں، اور ان ہی کو کریدتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کا یہ عجیب کمال تھا کہ ہر شخص کا خاص جوہر وہ پہچان لیتے، اس کی خوبیوں سے آگاہ ہو جاتے، اور داد تحسین سے بھی نوازتے، طلبہ کے حسن و قبح سے بھی وہ آشنا ہوتے اور غلطیوں کی اصلاح، خوبیوں کی تحسین دونوں ہی میں ان کا انداز کچھ ایسا نرالا تھا کہ اس سے فائدہ ہی ہوتا، نقصان نہ ہوتا، کیونکہ تحسین اگر مناسب و برمحل نہ ہو تو بے سلیقہ زجر و توبیخ کی طرح وہ بھی مضر بن جاتی ہے، حکمت و اعتدال ہر عمل کا جزء اعظم ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے بچوں اور اپنے طلبہ کے معاملے میں عمومًا لوگ افراط و تفریط کے شکار ہیں، کچھ لوگ انھیں خودرَو پودوں کی طرح "بے ہنگم" بڑھنے کے لئے بالکل ہی آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ اس قدر قید و بند، تخویف و تہدید اور ضرب و کرب سے گزارتے ہیں کہ ان کی صلاحیت، ان کے طبعی رجحانات اور مناسب رعایت و آزادی کا بھی پاس و لحاظ نہیں رکھتے، حافظ ملت کے یہاں اس باب میں بھی حکیمانہ اعتدال نظر آتا ہے۔

شخصیت کی دلآویزی

طالب علم کی اصلاح و تربیت میں معلم کی شخصیت کو بڑا دخل ہوتا ہے معلم کے افکار و اطوار اور اخلاق و کردار سے طالب علم کا متأثر ہونا فطری بات ہے، حافظ ملت کی شخصیت علم و تقویٰ کی جامع، اخلاص و بے نفسی کی حامل، تواضع و خودداری سے مرقع دین و علم کی ترویج و اشاعت کے بے کراں جذبات سے لبریز تھی، جس کا اثر ان کے تلامذہ پر بھی پڑا، خواہ کوئی ان کے کمال کو نہ پہونچے، اور ان کے محاسن کا جامع نہ ہو سکے، لیکن ہر ایک کے سامنے ایک آئیڈیل اور مثالی شخصیت کا نقشہ ضرور رہتا، اور اسے بہرحال یہ سوچنا پڑتا کہ علم دین کی راہ میں قدم رکھا ہے۔ اور نیابت رسول کا منصب حاصل کرنے کی تڑپ ہے تو شخصیت ایسی ہی دل آویز اور علمی و عملی کمالات و محاسن کی جامع بنانا ہوگی۔ جبھی بجا طور سے عالم دین اور نائب رسول شمار ہو سکتے ہیں، ورنہ درخت بے برگ یا شجر بے ثمر سے زیادہ کوئی حیثیت نہ ہو گی، آج نئی نسل میں جو بے راہ روی در آئی ہے۔ اسمیں مناسب تعلیم و تربیت کے فقدان کے ساتھ علمائے سُو کی کمزوریوں، کوتاہیوں بلکہ اس سے بھی آگے بے باکیوں اور بیحیائیوں کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔

حفظنا اللہ والمسلمین من شرورھم۔

(۲) بحیثیت صدر المدرسین

صدر المدرسین کا عہدہ بڑا نازک اور اس کی ذمہ داریاں بڑی پیچیدہ ہوتی ہیں۔ لیکن حافظ ملت کی عملی زندگی کے آخری سات سال کو چھوڑ کر سارا عرصۂ حیات اسی عہدہ کے ساتھ گزرا ہے۔ صدر المدرسین کو ایک طرف مجلس انتظامیہ کی ہدایات اور احکام کے تحت مدرسین و طلبہ کو کاربند بنانا پڑتا ہے دوسری طرف مدرسین و طلبہ کے مطالبات و ضروریات کی طرف انتظامیہ کو متوجہ کرنا ہوتا ہے، تیسری طرف مدرسین و طلبہ کی نگرانی اور ان کے کاموں میں درستی و ترقی لانا علمی و عملی فضا قائم

کرنا اور تعلیمی ماحول کو مؤثر وفعال بنانا بھی اس کا اہم فریضہ ہوتا ہے، اور کسی مدرس وطالب علم کی خامیوں سے متعلق سب سے پہلے اسے نوٹس لینا اور جواب دہ ہونا بھی پڑتا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ ملت نے ان پُر پیچ ذمہ داریوں کو بڑی خوش اسلوبی اور کامیابی سے نبھایا ہے، بلکہ اپنے فرض سے زیادہ انہوں نے کام کیا ہے۔ دارالعلوم کے تعلق سے عوامی ارتباط میں انتظامیہ سے زیادہ حافظ ملت کا کردار رہا ہے۔ اور اشرفیہ کی ملک گیر شہرت نیکنامی اور مسلمانوں کے اندر اشرفیہ کے لئے جذبۂ ایثار وتعاون کی فراوانی میں حافظ ملت کی مساعی جمیلہ اور ان کی دل آویز شخصیت کا بہت بڑا دخل ہے۔

دارالعلوم اشرفیہ کی تعمیر کے موقع پر مسلمانان مبارکپور کا جوش و حوصلہ حافظ ملت کی مخلصانہ جد وجہد کا ہی ثمرہ ہے، اساتذہ کا انتخاب بھی لیاقت وصلاحیت کی بنیاد پر ہوتا۔ اور حافظ ملت کے خلوص ومحنت کا اثر سب پر پڑتا اور سبھی اپنے فرائض ذمہ داری سے انجام دینے کی کوشش کرتے۔

طلبہ کے اندر علمی وعملی اسپرٹ تیز کرنے کے لئے وہ ہر دو تین ماہ کے بعد ایک آدھ گھنٹے کے لئے انھیں جمع کر کے خطاب کرتے، یہ خطاب بڑا مؤثر ہوتا، اور "از دل خیزد بر دل ریزد" کا عکس صاف دکھائی دیتا، اس میں عموماً جو کچھ وہ بیان فرماتے اس کا مفہوم اور حاصل حسب ذیل ہوتا:

"اشرفیہ میں قابل اساتذہ کا ایک متحرک وفعال کارواں جمع ہے۔ جن کی یہ یہ خصوصیات اور خوبیاں ہیں (مدرسین کے ناموں کے ساتھ ان کے کمالات بتاتے اور یہ حافظ ملت کا خاص فن تھا کہ وہ ہر شخص کے قرار واقعی فضل و کمال سے خود بھی آشنا رہتے اور دوسروں کو بھی آشنا کراتے) اس کے بعد فرماتے کہ ان سے اکتساب فیض اور تحصیل کمال تمہارا فریضہ ہے، تم نے طلب علم کی راہ میں قدم رکھا ہے تو اسی میں منہمک رہنا چاہئے، اور اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہئے، ایک تاجر اپنی تجارت کے فروغ اور دولت کے حصول کے لئے دن رات ایک کر دیتا ہے۔ کبھی سر پر بوجھ بھی لاد کر چلتا ہے اور کبھی سخت سست بھی سنتا ہے۔ ذلت بھی اٹھاتا ہے مگر اپنے مقصد اور اپنے کام سے دست بردار نہیں ہوتا، ایک درزی اپنے کام کی تکمیل کے لئے ہر وقت لگا رہتا ہے۔ دوکاندار صبح بیٹھ جاتا ہے تو شام کو اٹھتا ہے کھانے سے اور راحت وآرام سے بھی بے پروا ہو جاتا ہے، بنکر اپنی بنائی کے کام میں لگا رہتا ہے اور ہر طرح کی زحمت وصعوبت برداشت کرتا ہے۔

جب سب کام والے اپنے کام میں بھرپور دلچسپی اور محنت سے لگے رہتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ طالب علم اپنے کام سے غافل رہے، اور اپنا وقت برباد کرے، دینی طلبہ پر مجھے افسوس ہے کہ یہ تحفظ وقت کا خیال نہیں رکھتے۔ ایک بار میں کلکتہ کی ایک بلڈنگ میں ٹھہرا ہوا تھا، قریب کے کمرے میں ایک بنگالی طالب علم کا قیام تھا۔ وہ کچھ دیر سوتا اور پھر اٹھ کر پڑھنے لگتا، رات بھر زیادہ تر اس نے پڑھتے ہوئے ہی وقت گذارا، اسے اپنی تعلیم سے اس قدر لگن اور اس کے لئے اتنی محنت تھی تو ہمارے طلبہ میں ایسی لگن اور محنت کیوں نہیں؟ ان انھیں بھی اپنی تعلیم سے شغف، اپنے مقصد کے ساتھ اخلاص، اپنے وقت کی قدرشناسی، اپنے کام سے دلچسپی ہونا چاہئے"

(اس مضمون کو کبھی متعدد شواہد وواقعات کے ذریعہ مزید مؤثر انداز میں بیان کرتے)

علم کے بعد عمل کی ترغیب ہوتے تو فرماتے: "عالم کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو اگر اسمیں عمل نہیں تو نہ وہ عند اللہ مقبول ہو سکتا ہے اور نہ عند الناس۔ ایک مقرر ردّ وہابیہ میں تقریر کر رہے تھے۔ اور ٹھوس دلائل مضبوط شواہد اور دلنشیں انداز بیان کے ساتھ بولتے جا رہے تھے، تقریر بڑی کامیاب ہوئی۔ تقریر ختم ہوتے ہی ایک شخص مجمع سے اٹھا اور کہا مولانا ذرا اپنے سر کے بال تو دیکھئے دیکھا تو سر پر انگریزی بال تھا، دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے کہا مولانا ذرا اپنا پاجامہ تو دیکھئے، پاجامہ ٹخنے سے نیچے تھا ان اعتراضات سے مولانا کی تقریر کا جواب تو نہ ہوا، جو حقائق انھوں نے بیان کئے وہ غلط تو نہ ہو گئے۔ مگر ان کی ذاتی اور عملی خامیوں کی وجہ سے ان کی تقریر بے اثر ہو گئی، ہم نے صدر الشریعہ سے علم بھی سیکھا اور عمل بھی سیکھا، ہر بات وہ بتاتے نہ تھے۔ ہم نے تو انھیں دیکھ دیکھ کر سیکھا ہے، انھیں عمامہ باندھتے دیکھا تو عمامہ باندھنا سیکھ لیا انھیں سر جھکا کر وقار سے چلتے ہوئے دیکھا تو چلنا سیکھ لیا، انھیں کھاتے ہوئے دیکھا تو

کھانے کا طریقہ سیکھ لیا!" (ظاہر ہے کہ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو خود علم و تقویٰ کا جامع اور سنت نبوی کا پابند ہو، ان کا مقصد یہ تھا کہ تلمذ اور شاگردی کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے علم کے ساتھ ہمارا کردار و عمل بھی حاصل کرو، اور علم و عمل کے جامع بنو، جب ہی تم خدا اور رسول کی خوشنودی اور اپنی دینی خدمات کے میدان میں کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہو سکتے ہو)

اس طرح کی تقریروں کا اثر یہ ہوتا کہ طلبہ میں ایک علمی و عملی لہر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کھیلنے والوں میں بھی کچھ سیکھنے، کچھ کرنے کا جذبہ بیدار ہو جاتا۔

وہ طلبہ کو خارج بھی کرتے تھے مگر حتی الامکان ان کی اصلاح کی کوشش کرتے، اور اس طرح نہیں کہ معاف کر کے علی حالہ چھوڑ دیا بلکہ طالب علم کے لئے ایسا ماحول اور ایسے اسباب فراہم کرتے کہ وہ صحیح روش پر آجائے اور بیکار ہونے کے بجائے کام کا آدمی بن جائے۔

وہ ادارہ کی کامیابی کے لئے مدرسین میں اتحاد و اتفاق اور ہر ایک کے اعزاز و اکرام کو ضروری سمجھتے تھے، اور ان کے زمانے میں یک جہتی یا کم از کم رواداری اور انس والفت کی فضا برابر دیکھنے میں آئی۔

طلبہ کی ضروریات کے معاملہ میں بھی وہ بہت حساس تھے۔ اور ایسا نہیں کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس درخواست لے کر آئے اور بار بار تقاضا کرے جبھی اس کی ضرورت پر غور و خوض ہو بلکہ کسی طرح بھی حافظ ملت کو ضرورت کا علم ہو جاتا کافی تھا۔ اس کے بعد وہ از خود اس کی تکمیل کی طرف فوراً توجہ کرتے، فیصلہ میں دیر اور کام میں ٹال مٹول تو وہ جانتے ہی نہیں تھے، جو کرنا ہوتا فوراً کرتے اور باسلیقہ و صاف اور مکمل طور پر کرتے، یونہی جو ان کی رائے ہوتی اس کے دو ٹوک اظہار سے بھی ان کے لئے کوئی مانع نہ تھا اسمیں ان کے فہم و تدبر کا بھی دخل تھا اور جرأت و استقامت کا بھی، پیرایۂ بیان کی ندرت و بلاغت کا بھی اور عدل پسندی اور صاف گوئی کا بھی۔

اگر مطبخ سے متعلق کسی خرابی کا علم ہوا تو فوراً ذمہ داروں کو اس کے تدارک کی طرف متوجہ کرتے، دوسری کسی پریشانی کا پتہ چلا تو فوراً اس کے ازالے کی کوشش کرتے، ایک بار قحط کی وجہ سے کنوؤں کا پانی بہت کم ہو گیا۔ طلبہ کی ضروریات کے لئے دارالعلوم میں ایک ہی کنواں تھا، جو صبح دو گھنٹوں میں خالی ہو جاتا، اور پھر کیچڑ آنا شروع ہو جاتی، طلبہ مسجدوں میں جاتے تو وہاں بھی لوگوں کی ترش روئی اور سخت کلامی کا سامنا کرنا پڑتا، اس صورتِ حال کا ایک بار یونہی مولانا شمس الحق صاحب مرحوم نے حافظ ملت سے ذکر کر دیا۔ حضرت نے سن لیا اور مولانا کے جانے کے بعد ناظم اعلیٰ کو بلایا۔ اور ان سے ضرورت و پریشانی بتانے کے ساتھ ہی فرمایا کہ آپ ٹیوب ویل لگوائیے۔ ناظم اعلیٰ نے قبول بھی کر لیا، اگرچہ بعد میں مولانا شمس الحق صاحب سے خاصی افسردگی کے ساتھ فرمایا کہ آپ کی وجہ سے مدرسہ کا اتنے ہزار روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ خیر ٹیوب ویل لگا اور بہت سی صعوبتوں کا خاتمہ ہوا۔

اسی طرح طلبہ کی شرارتوں کا محض انھیں علم ہو جاتا کافی تھا، پھر وہ خود ہی ان کی سزا و اصلاح کی فکر کرتے، اور فضا کو علمی و عملی رخ سے پاکیزہ و بہتر بنانے میں ذرا بھی تغافل و بے پروائی روا نہ رکھتے۔ اور اگر شکایات بیجا و مبالغہ آمیز ہوتیں تو ان کا جواب بھی متانت و سنجیدگی کے ساتھ خود ہی دے کر معاملہ رفع دفع کر دیتے۔

(۳) بحیثیت سربراہ اعلیٰ

سنہ ۱۹۷۰ء میں وہ مجلس انتظامیہ کے صدر اور ادارہ کے سربراہِ اعلیٰ کی حیثیت سے منتخب ہوئے، مگر ان کے اوپر اس منصب کا کوئی جاہ و جلال نظر نہ آیا، انھوں نے بارہا فرمایا کہ "میں کل بھی ادارہ کا خادم تھا اور آج بھی ادارہ کا خادم ہی ہوں"۔ جہاں تک منصبی ذمہ داریوں کی انجام دہی کا سوال ہے میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ الجامعۃ الاشرفیہ کی فلک بوس عمارت، اس کی تاحد نظر وسیع و عریض زمین، اس کی نوع بہ نوع عمارتیں سب حافظ ملت کے منصب صدارت کا عطیہ ہیں۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ اپنے منصوبوں کو عملی شکل دینا چاہتے تھے، مگر کوئی بھی بڑا کام متحرک و فعال رفقائے کار کی تن دہی اور سرگرمی کے بعد ہی پورا ہو سکتا ہے انھوں نے جامعہ کی عمارت بننے کے بعد ہی لائبریری کو مستقل حیثیت دی۔ اس کے لئے مولانا عبدالمبین نعمانی جیسے باخبر، ملت کے دردمند، علم و فن کے شیدا اور متحرک و فعال شخص کو لائبریرین

مقرر کیا۔ مولانا نے دیکھتے دیکھتے کتابوں کے گودام کو ایک باضابطہ لائبریری میں تبدیل کر دیا اور اس کی ثروت و ترقی کے لئے سرگرم عمل ہو گئے۔

باضابطہ شعبہ تجوید قائم کیا اور اس کے لئے اپنے احباب کے انتخاب پر شیخ القراء قاری محب الدین صاحب کی خدمت میں ایک عالم کو بھیج کر تجوید کی تکمیل کرائی، اسی طرح جامعہ کا ترجمان "ماہنامہ اشرفیہ" جاری کیا اور مولانا بدر القادری کو بلا کر اس خدمت پر لگایا پھر خود اس کی توسیع اشاعت کے لئے سرگرم رہے۔

سنی دارالاشاعت حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ کے اچانک انتقال سے بے یار و مددگار ہو چکا تھا۔ اس کے لئے مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی کو منتخب کیا، انگریزی تعلیم کے لئے ماسٹر آفتاب احمد صاحب کو جو جامعہ ملیہ دہلی میں کام کر رہے تھے بلا کر اشرفیہ کا استاذ مقرر کیا۔ طلبہ میں عربی لکھنے بولنے کی مہارت پیدا کرنے کے لئے مولانا یٰسین اختر اعظمی اور مولانا افتخار احمد قادری کی خدمات حاصل کیں۔ ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ جامعہ ازہر سے رابطہ قائم کیا جائے، اور وہاں کچھ لوگوں کو بھیج کر تعلیم دلائی جائے، پھر اشرفیہ میں ان کی خدمات حاصل کی جائیں۔ اس سلسلہ میں علامہ ارشد القادری نے برطانیہ جاتے ہوئے ازہر کے ذمہ داران سے ملاقات کر کے کچھ سلسلہ جنبانی بھی کی مگر کام آج تک مؤخر ہی ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سب داخلی اور معنوی طور پر اشرفیہ کے سنوارنے اور بڑھانے کی کوششیں تھیں، جو شاید عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوں۔ ظاہری طور پر تعمیرات کے سلسلے میں انھوں نے باوجود پیری و ضعیفی کے ملک بھر کے دورے کئے اور اشرفیہ کو لوگوں کی امیدوں کا مرکز اور دلوں کی دھڑکن بنا دیا اسے کون نہیں جانتا

وہ مدرسین کی ضروریات اور ان کی پریشانیوں سے باخبر تھے انھوں نے خود عمر کا بیشتر حصہ اسی دشت کی سیاحی میں گذارا تھا اگرچہ انھوں نے اپنے استاذ کے حکم کے مطابق ادارے کا کام ہمیشہ خدمت کی نیت سے کیا اور تنخواہ کی کمی بیشی سے کوئی مطلب نہ رکھا نہ کبھی اضافۂ تنخواہ کی درخواست ارکان عالیہ کی خدمت میں گذاری لیکن وہ جانتے تھے کہ سات سات ماہ اور گیارہ گیارہ ماہ تک تنخواہیں موقوف رہنے سے مدرسین پر کیا گذری دوسرے مدرسین کے اضافوں کی فکر سے بھی وہ غافل نہ ہوتے نہ ہی کبھی کوئی منفی رویہ اختیار کرتے۔

سربراہ اعلیٰ ہونے کے بعد وہ بلا درخواست اضافہ کی راہ نکالتے ایک بار حضرت کی مجلس میں لوگوں نے اپنے کاروبار کی پریشانی اور گرانی کی زیادتی کا تذکرہ کیا جیسا کہ عموماً ایسے موقوں پر ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنی پوری لسانی و فکری صلاحیت کے ساتھ آٹا، دال چاول، سوت، ریشم، مسرائز کا بھاؤ اور بازار کا اتار چڑھاؤ بتانے لگتا ہے اور کوئی گوشہ تاریک نہیں چھوڑنا چاہتا۔ حضرت کے سامنے بھی لوگ بیان کرتے رہے اور حضرت یہ ساری باتیں بڑی متانت اور دردمندی سے سنتے رہے، بتانے والوں میں زیادہ تر مجلس عاملہ کے ارکان ہی تھے۔ آخر میں فرمایا کہ "جب گرانی کا یہ حال ہے تو مدرسین کی تنخواہوں میں اضافہ ضروری ہے"۔ دوسرے دن میٹنگ طلب کی اور بغیر کسی درخواست اور تحریک کے تمام مدرسین کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا کسی رکن میں اختلاف کی مجال بھی نہ تھی کیونکہ ایک دن پہلے خود ہی سب کچھ سنا چکے تھے۔ یہ واقعہ حضرت نے ایک موقعہ پر خود مجھ سے بیان کیا۔

مولانا یٰسین اختر صاحب بتاتے ہیں کہ ہم لوگ بہت سی پریشانیوں، اور بے اتفاقیوں کا شکار رہتے مگر حضرت کی مجلس میں پہونچتے تو ان کا ایک ہی جملہ ہمارے سارے غم و الم کو دور کر دیتا۔ وہ فرماتے اشرفیہ آپ کا ہے آپ کو رہنا اور کام کرنا ہے۔ ۳۱ر مئی ۱۹۷۶ء کو ان کا وصال ہوا تو پورے مبارکپور ہی نہیں پورے ملک میں افسردگی اور غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ اشرفیہ کے در و دیوار کی پژمردگی اور اداسی کا کیا حال رہا ہوگا۔ اس منظر کو اشرفیہ کی فضا میں سانس لینے اور شب و روز گذارنے والے حساس شاعر نے دیکھا اور محسوس کیا تو اسے الفاظ کے قالب میں اس طرح ڈھالا ؎

سہمی سہمی سی فضا ہے تھرتھراتا ہے جگر
رہنمائے ملت اسلامیاں جاتا رہا
سوز و جذب اندروں سے جس کے اٹھتا تھا دھواں
قوم کا غم خوار، وہ قلب تپاں جاتا رہا
گلستانِ جامعہ پہ چھا گئی پژمردگی
خون دل سے سینچنے والا کہاں جاتا رہا
جامعہ کا ذرہ ذرہ کر رہا ہے یہ سوال
ہائے اختر میرا وہ محسن کہاں جاتا رہا

حافظ ملت کی عظیم شخصیت کے چند خاطر نواز پہلو

مبارک حسین مصباحی

حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ چودھویں صدی ہجری کے نصف آخر کی ایک آفاقی ہر دلعزیز اور یکتائے روزگار شخصیت کا نام ہے۔ آپ کے محاسن و کمالات اور افکار و خدمات کی دھوم اب ہند و پاک سے نکل کر ممالک عرب اور دیار مغرب تک پہونچ چکی ہے۔ آپ نے تعلیم و ثقافت کے فروغ اور ملی فلاح کے لئے جو گرانقدر کارنامے انجام دیئے ہیں وہ ستاروں کی طرح روشن اور پہاڑوں کی طرح مستحکم ہیں۔ جن کے فیوض و برکات سے ایک عالم آج بھی فیضیاب ہو رہا ہے۔ آپ ایک جامع الصفات شخصیت ہونے کے ساتھ "اقلیم اخلاقیات" کے تاجدار تھے۔ میں بے شمار شواہد کی روشنی میں یہ دعویٰ کر رہا ہوں کہ شخصیت سازی، تقویٰ شعاری، اخلاقی بلندی، اور دین و ملت کی عظیم تعمیری کارگزاری اور دردمندی میں دور دور تک کوئی آپ کا شریک و سہیم نظر نہیں آتا۔

علمی جلالت، فکری اصابت اور قبولیت عامہ کے بلند منصب پر فائز ہونے کے باوجود بڑوں کا ادب، نسبتوں کا احترام، معاصرین سے وابستگی و نیازمندی، چھوٹوں پر حد درجہ شفقت اور ان کی حوصلہ افزائی آپ کی حیات کے درخشاں ابواب ہیں۔ جو ایک بار شرف ملاقات حاصل کر لیتا زندگی بھر آپ کی اخلاقی نوازش اور تقویٰ شعاری کے گن گاتے رہتا اور خلق حسن کی اس ادائے دلنوازی پر تو حیرت بھی محو حیرت ہے کہ آپ کے متعلقین، مریدین اور تلامذہ میں جس سے بھی حضرت حافظ ملت کے سلسلہ میں کچھ دریافت کیا جاتا ہے۔ ایک جملہ ہر ایک کی ورد زبان نظر آتا ہے۔ حضرت مجھے بہت مانتے تھے۔ صرف تلامذہ پر حافظ ملت کی شفقت و محبت کا ذکر کرتے ہوئے۔ حضرت علامہ ارشد القادری مصباحی رقمطراز ہیں:

"جہاں تک شفقت کا تعلق ہے حافظ ملت تلامذہ پر باپ سے زیادہ زیادہ شفیق تھے۔ باپ کی محبت بھی کبھی کبھی چند بیٹوں کے درمیان غیر متوازن ہو جاتی ہے یہاں تک کے باپ کے خلاف بعض اولاد کو امتیازی سلوک کا شکوہ ہونے لگتا ہے۔ لیکن اپنے ہزاروں تلامذہ کے ساتھ حافظ ملت کا مشفقانہ سلوک اتنا عجیب و غریب تھا کہ ہر شخص اس خیال میں مگن رہتا کہ حضرت مجھی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں محبت کی متوازن تقسیم یوں بھی ہو سکتی تھی کہ ہر شخص یہ محسوس کرتا کہ حضرت سب کو مساوی طور پر چاہتے ہیں لیکن ہر شخص کی یہ خوش عقیدگی کہ حضرت مجھی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں بلاشبہ شفقت ہی کا نہیں ذہانت و تدبر کا بھی کمال ہے۔"

آپ کی پوری زندگی شریعت کی عملداری، اور تقویٰ و پرہیزگاری

ے عبارت تھی۔ کاروانِ حیات کے ہر گام پر سنتوں کا احترام و التزام اور مخالفت سنت سے اجتناب آپ کی زندگی کا نمایاں وصف تھا۔ فرائض و واجبات کا تو ذکر ہی کیا نوافل و تہجد کبھی قضا نہیں ہوتی۔ عبادت گزاری اور ذکر الٰہی کا ایک واقعہ اتنا حیرت ناک اور کرامت آثار ہے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حافظ ملت کے جس "ذکر جلالی" کے واقعہ کو میں ذیل میں پیش کرنے جا رہا ہوں۔

یہ واقعہ حضرت مولانا کاظم علی صاحب مصباحی علیہ الرحمۃ کے بڑے صاحبزادے جناب عبدالعلی صاحب نے بمبئی میں چند ذمہ داروں کے درمیان راقم سطور سے بیان کیا اور انھوں نے ڈاکٹر عبدالمجید صاحب مرحوم بلرامپوری سے سنا۔ واقعہ اس طرح ہے۔ کہ

حافظ ملت بلرامپور گونڈا تشریف لائے اور حسب روایت جناب ڈاکٹر عبدالمجید صاحب کے گھر قیام فرمایا۔ نماز عشاء کے بعد اپنی مخصوص قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر عبدالمجید صاحب سے فرمایا۔ جائیے آرام کیجئے۔ ڈاکٹر صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کی قیام گاہ سے کچھ دوری پر چارپائی پر لیٹ گیا۔ حضرت نے اپنا کمرہ بند فرما لیا۔ جب تقریباً آدھی رات گزر گئی تو اچانک حضرت کے کمرے سے ایک مبہم سی اللہ کی چیخ بلند ہوئی۔ رات کا وقت ہر طرف سناٹا میں ذرا خوف زدہ ہو گیا۔ پھر ہمت کر کے آہستہ آہستہ حضرت کے کمرے کی جانب بڑھا۔ دیکھا دروازہ بند ہے۔ مگر کھڑکی کچھ کھلی ہوئی تھی۔ جب اندر جھانک کر دیکھا تو اندر کا وحشتناک منظر دیکھ کر میں کانپ گیا۔ اندر حضرت کے اعضا علیحدہ علیحدہ تڑپ رہے تھے۔ اور اس سے اللہ اللہ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں یہ منظر دیکھ کر کسی سے کچھ کہے بغیر اپنے بستر پر آ کر پڑ گیا۔ پھر باقی رات اسی خوف و ہراس کے ساتھ آنکھوں میں گزاری۔ اذان فجر ہوئی حضرت نماز کے لئے باہر تشریف لائے۔ مگر میری کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی نماز ادا فرمانے کے بعد حضرت نے خود ہی مجھ سے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب آئندہ احتیاط کرنا یہ مناسب نہیں ہے۔ پھر حضرت کی حین حیات اس واقعہ کو نہ میں نے کسی سے بیان کیا اور نہ کبھی رات کو اس طرح آپ کو دیکھنے کی ہمت کی۔

ڈاکٹر عبدالمجید صاحب کے قابل اعتبار ہونے کی وجہ سے اس واقعہ پر راقم کو یقین تو تھا مگر ذہنی طور پر ایک عجیب قسم کا خلجان تھا۔ پھر جب میں نے ذکر جلالی کی تشریح اور اسی قسم کے دیگر بزرگوں کے واقعات پڑھے تو یہ خلجان بھی ختم ہو گیا اور آج مکمل اعتماد و یقین کے ساتھ سپرد قلم بھی کر دیا۔

یہی وہ زہد و اتقاء اور عبادت و ریاضت کی سرگرمیاں تھیں جن کی وجہ سے آپ تصوف و روحانیت کی اونچی سطح پر فائز تھے اور بڑے بڑے اہل دل اور اہل نظر کی بارگاہوں میں آپ کو مقبولیت حاصل تھی۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدنی مدظلہ العالی نے حضرت عزیز ملت صاحب سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں ہندوستان آ رہا تھا تو والد گرامی خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے مجھ سے ارشاد فرمایا "ہندوستان جا رہے ہو وہاں دو شخصیتوں سے ضرور ملاقات کرنا" حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت حافظ ملت صاحب سے۔

اس ارشاد گرامی پر آپ غور فرمائیے کہ قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب کا بریلی شریف سے تو ایک تعلق تھا کہ آپ اعلیٰحضرت کے خلیفہ تھے۔ لیکن حضور حافظ ملت سے کون سی دلبستگی اور نسبت تھی کہ اپنے شہزادے کو ان سے ملاقات اور شرف نیاز حاصل کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے یہاں عام نظروں سے بالاتر ضرور کوئی روحانی عظمت تھی جسے عارف باللہ اور قطب مدینہ نے اپنی بصارت ایمانی سے دیکھ لیا۔ سچ ہی کہا ہے کسی دیدہ ور نے "ولی را ولی می شناسد"۔

حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب نے حافظ ملت کی تقویٰ شعار زندگی کی بڑی سچی تصویر کشی کی ہے ذیل میں ایک اقتباس

پڑھے۔ لکھتے ہیں:
"بعض لوگوں نے انھیں استاذ العلماء جلالۃ العلم ہی سمجھا۔ لیکن وہ میری نظر میں عارف باللہ اور اللہ کے ولی ہیں۔ علم ظاہر و باطن کے ایسے سنگم جہاں ہر پیاسے کو پانی ملے وہ استاذ العلماء کی ذات گرامی ہے۔ ایک ایسا عابد شب زندہ دار کہ زہد و تقویٰ و پارسائی جس کے دامن کی حسیں چھاؤں ہیں۔ زمیں پر آنکھیں بچھائے اس طرح گزر جائیں کہ فرش و عرش کی کائنات انھیں دیکھے لیکن ان کی خدا شناس نگاہوں کو کوئی کچھ نہ کہہ سکے لباس میں ایسی سادگی جس سے عالمانہ وقار پھوٹ پھوٹ کر برستا ہو۔ گفتار میں ایسی نرمی اور مٹھاس گویا ہونٹوں سے پھول جھڑ رہے ہوں۔ ایسے کریم و شفیق کہ بچے انھیں پاکر ماں کی گود بھول جائیں۔ اپنے بزرگوں کے ایسے ادب شناس کہ اعلیٰحضرت سیدنا امام احمد رضا و صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی علیہما الرحمۃ والرضوان کا نام سنتے ہی اپنی گردن جھکالیں۔ تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند و دیگر اکابر اہلسنت کے تذکرہ پر اپنی والہانہ مسرت کا اظہار یہ حافظ ملت کی خصوصی ادائے محبت تھی۔"

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی زبان فیض ترجمان میں بڑی اثر انگیزی اور دل آویزی تھی سادہ سے سادہ جملے بھی دل و دماغ میں گھر کرتے چلے جاتے اور برسوں ان کی حلاوت اور تاثیر نہیں جاتی۔

ایک بار خطیب شہیر حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی مصباحی نے حضور حافظ ملت سے دریافت کیا حضور آپ کی زبان مبارک میں یہ حیرت انگیز تاثیر اور قوت تسخیر کیسے پیدا ہوئی آپ نے وہ کونسا عمل اور مجاہدہ فرمایا ہے کہ جو جملہ فرماتے ہیں دلوں میں گھر کرتا چلا جاتا ہے اور زندگی بھر اس کے اثرات ختم نہیں ہوتے۔ اس کے جواب میں حافظ ملت نے برجستہ ایک جملہ ارشاد فرمایا "میاں ہمیشہ سچ بولا کرو یہ تاثیر پیدا ہو جائے گی۔"

اس جواب پر اگر ذرا غور کیا جائے تو حکمتوں کا جہاں آباد نظر آئے گا۔ اور اس نقطۂ فکر پر تو جتنا بھی سر دھنا جائے کم ہے کہ سوال کیا گیا ہے کہ تاثیر زبان کے لئے حضور نے کون سا عمل کیا ہے۔ اور جواب دیا جا رہا ہے کہ سچ بولا کرو یہ تاثیر پیدا ہو جائے گی یہ نہیں فرمایا کہ میں سچ بولتا ہوں اس لئے یہ تاثیر پیدا ہو گئی۔ گویا کہ اس جواب میں تسخیر بیان کے نسخہ کیمیا کے ساتھ انکسار نفس بھی ہے اور سچ بولنے کا درس بھی۔ اگر یہ کہا جاتا کہ میں سچ بولتا ہوں اس لئے یہ تاثیر پیدا ہو گئی۔" اس میں تاثیر زبان کا نسخہ تو ہے مگر کسر نفس اور سچ بولنے کا درس نہیں۔ حضرت مولانا بدر القادری صاحب نے آپ سے متعلق بڑے پتے کی بات کہی ہے ؎

پنہاں ہے خموشی میں تکلم کی حلاوت
گفتار کے ہر بول میں حکمت کا جہاں ہے

حقیقت یہ ہے کہ آپ کو جھوٹ سے دشمنی کی حد تک پرہیز تھا۔ اور ایسے ایسے نازک موقعوں پر آپ نے سچ کا دامن نہیں چھوڑا جہاں اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ ایک بار آپ کو جیل جانا پڑ گیا۔ اعظم گڑھ کے سرکردہ مسلم وکلاء نے بڑی کوشش کی اور درخواست کا مسودہ مرتب کر کے لائے کہ اس پر دستخط کر دیجئے۔ آپ نے پڑھ کر سنا اس میں ایک بات خلاف واقعہ تھی۔ فرمایا میں اس پر دستخط

نہیں کروں گا۔ جو لوگ آئے تھے ہزار سر پٹک کر رہ گئے یہ ضروری ہے۔ اسمیں مصلحت ہے۔ دستخط کر دینے میں کیا حرج ہے؟ لیکن آپکا موقف یہ تھا۔ "سچ ہر مصلحت اندیشی سے بے نیاز و بے پرواہے۔ سچ ہے سہ

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

بعد میں کلکٹر صاحب نے انھیں حضرت کی سعی و سفارش سے بلا درخواست ہی رہا کر دیا۔ جیل میں جاتے وقت بھی "الحمدللہ" کہا تھا اور واپس آئے تب بھی وہی جملہ ورد زبان تھا۔

درس و نصیحت کا بھی بڑا نرالا اور دلربا انداز تھا۔ نصیحت کرتے وقت آپ کے لب ولہجہ میں اس قدر اپنائیت اور دلربائی ہوتی کہ مخاطب کو سخت سے سخت جملہ بھی بار خاطر نہیں ہوتا۔ نصیحت کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں عجب اثر انگیزی اور معنی آفرینی ہوتی کہ مخاطب سنتے ہی احساس ندامت میں ڈوب جاتا اور وہ جملہ زندگی بھر اس کے لئے تازیانۂ عبرت بنا رہتا۔

ایک صاحب نے راقم سطور سے اپنا حال بیان کیا۔ وہ جن دنوں زیر تعلیم تھے۔ آواز اچھی تھی۔ سیرت کے جلسوں میں نعتیں پڑھتے تھے۔ اور آج بھی ایک اچھے خطیب اور خوش گو نعت خواں کی حیثیت سے لوگوں میں مشہور و مقبول ہیں۔ وہ اپنی طالب علمی کے زمانے کا ایک واقعہ بتاتے ہیں کہ ایک سفر میں حضرت کا ساتھ ہو گیا ایک بار سفر کر رہے تھے۔ ٹرین رکی اور حضرت حسب معمول نماز پڑھنے کیلئے پلیٹ فارم پر اتر گئے اور میں ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ جب حضرت نماز کی ادائیگی کے بعد ٹرین میں سوار ہوئے تو مجھ سے فرمایا۔ "آپنے نماز نہیں پڑھی"۔ میں نے حیلہ بہانہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ حضور وضو نہیں تھا اور مشین بگڑ گئی تھی۔ اس جواب پر حضرت نے صرف ایک جملہ ارشاد فرمایا۔ "مگر انسان کو نہیں بگڑنا چاہیئے۔" وہ کہتے ہیں کہ حضرت کا یہ جملہ سن کر مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور کافی دیر تک سر اوپر نہیں اٹھایا۔ اور آج بھی جب یہ جملہ یاد آجاتا ہے تو تازیانہ عبرت بن کر دل و دماغ پر حیرت انگیز اثر چھوڑ جاتا ہے۔ "مشین بگڑی ہوئی ہے۔" کے غیر واقعی معروضہ کے جواب میں "لیکن انسان کو نہیں بگڑنا چاہیئے۔" کتنی خوبصورت تنبیہ و تنقید ہے اس کے محاسن کی ترجمانی سے زبان قاصر ہے۔

خورد نوازی اور حوصلہ افزائی کے وصف میں تو ملک بھر میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی نوازش و عنایات کا سہارا پا کر کتنے ذرے آفتاب و ماہتاب بن کر جگمگانے لگے اور کتنے گمنام شہرت و ناموری کی بلندیوں پر نظر آنے لگے۔ اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر پھر بھی بہت کچھ باقی ہے۔ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی میں ایسے معنی خیز جملے ارشاد فرماتے کہ نہ مبالغہ ہوتا اور نہ خلاف واقعہ پھر بھی مخاطب ان حوصلہ افزا کلمات کو سن کر فرط مسرت سے جھوم اٹھتا اور اس راہ میں مزید کمال پیدا کرنے کے لئے بے تاب ہو جاتا۔

حضرت مولانا قاری نورالحق صاحب مبارکپوری استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے راقم سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں حافظ ملت کے ساتھ کسی مقامی جلسہ میں موجود تھا میری طالب علمی کا ابتدائی دور تھا نہ تقریر کرتا تھا اور نہ ایسا خیال تھا کہ جلسہ میں کچھ بولنا پڑے گا اچانک اسٹیج پر موجود حضرات نے ابتدائی تقریر کے لئے مجھ سے اشارہ کیا میں نے پہلو تہی کرتے ہوئے سوچا یہ کیا مصیبت ناگہانی آگئی۔ اتنے میں حضرت نے بھی حکم دیدیا۔ اب تو فرار کا کوئی راستہ ہی نہیں رہا۔ مجبوراً کھڑا ہو گیا۔ اور جو کچھ رٹی رٹائی تقریر یاد تھی ہانپتے کانپتے سنا ڈالی۔ دوران تقریر حضرت برابر حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرماتے رہے گویا کہ بڑی کامیاب تقریر ہو رہی ہے۔ جب تقریر ختم ہوئی تو حضرت نے ارشاد فرمایا۔ "ماشاء اللہ آپ نے تو فی البدیہہ اتنی کامیاب تقریر کر دی۔ اگر تیاری کے بعد بولیں گے تو کیا عالم ہو گا۔" یہ مختصر حوصلہ افزا جملہ کتنا معنی خیز اور شوق انگیز ہے۔

جناب حافظ ممتاز احمد صاحب واصف کھوجپوری نے ایک موقع پر

مجھ سے ارشاد فرمایا۔ کہ جب حضور حافظ ملت زیارت حرمین طیبین کے لئے روانہ ہوئے تو بمبئی تک مشایعت میں بھی تھا۔ اور جب حضور حافظ ملت جہاز میں بیٹھنے کے لئے جانے لگے تو آنکھیں تو اشکبار پہلے سے ہی تھیں یہاں آکر دل کا غبار چیخ میں تبدیل ہو گیا۔ اس وقت حضرت نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "فکر مت کرو انشاء اللہ ممتاز، ممتاز رہے گا" لفظ ممتاز کی تکرار سے جملہ میں دلکشی کے ساتھ دعا اور حوصلہ افزائی کا کتنا عظیم معنیٰ پیدا ہو گیا ہے۔ اس واقعہ کو طویل عرصہ ہو گیا۔ مگر جب کبھی یہ جملہ یاد آجاتا ہے دل و دماغ میں اسی کیف و سرخوشی کا عالم محسوس کرتا ہوں جو پہلی بار سنکر کیا تھا۔

حضرت مولانا عبد اللہ خاں عزیزی صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی نے راقم سے بیان کیا۔ کہ ایک بار حضرت حافظ ملت دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا عزیزی صاحب اس وقت وہاں مدرس تھے ان ہی کے کمرے میں حضرت کا قیام تھا۔ جب واپس تشریف لائے تو آپ کی ایک چھوٹی سی تیل کی شیشی رہ گئی جسے آپ سفر میں ساتھ رکھتے تھے۔ چند روز کے بعد مبارکپور سے حضرت کا خط پہونچا کہ آپ کے کمرے میں میری شیشی رہ گئی ہے کوئی آنے والا ہو تو بھیج دیں خط پڑھتے ہی عزیزی صاحب کی حالت خراب ہو گئی۔ کیونکہ وہ اس تیل کو حضرت کا تبرک سمجھ کر استعمال فرما چکے تھے۔ اب سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے تیل تو بہت تھوڑا تھا۔ اس تیل میں ضرور کوئی خاص دعا یا دوا شامل تھی جس کی وجہ سے حضرت نے خط تحریر فرمایا ہے۔ فوراً دوڑے ہوئے گھر آئے خاصی مقدار میں خالص تل کا تیل لیا اور حضرت کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہو گئے۔ سلام و دست بوسی کی۔ خیر خیریت کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا۔ مولانا کیسے آنا ہوا۔ مولانا عزیزی صاحب نے عرض کیا حضور تیل کو تبرک سمجھ کر استعمال کر چکا۔ معاف فرمائیں یہ تیل لیکر حاضر ہوا ہوں۔ حضور قبول فرمائیں فرمایا آپ کو اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی وہ خط میں نے تیل کی وجہ سے نہیں بلکہ شیشی کی وجہ سے لکھا تھا۔ اس کا ڈھکن اتنا اچھا ہے کہ سفر میں تیل گرتا نہیں۔ اگر کوئی آتا تو بھیج دیتے۔ حضرت مولانا عزیزی صاحب نے کہا حضور میں تو بڑا خوف زدہ تھا۔ پتہ نہیں حضور کتنا ناراض ہوں کہ میں نے بغیر اجازت تیل استعمال کر لیا جس کی اہمیت کا اندازہ آپ کے مکتوب سے ہوا۔ اس پر حضرت نے جو کلمات ارشاد فرمائے اس میں اپنائیت کے جو معنیٰ پیدا ہوئے ہیں ان کی ترجمانی کسی اور لفظ سے ممکن ہی نہیں حضور حافظ ملت نے فرمایا۔ مولانا صاحب کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے ذکر سے خوشی ہوتی ہے کچھ وہ ہوتے ہیں جن کے نام سے خوشی ہوتی ہے اور کچھ وہ ہوتے ہیں۔ ——————

——————

——————

—————— جن کے تصور سے خوشی ہوتی ہے۔ کسی کی خوشی اور دلبستگی کے لئے یہ کتنی خوبصورت تعبیر ہے۔ حضرت مولانا عزیزی صاحب کے دل و دماغ سے ان کلمات کے اثرات آج تک ختم نہیں ہوئے جب کبھی کسی محفل میں حافظ ملت کا ذکر چھڑ جاتا ہے۔ خوب سرمستی اور سرخوشی کے عالم میں بیان کرتے ہیں

ارباب قلم اور مدیروں کے نام تعریفی اور تنقیدی مکتوبات کا آنا ایک روایت ہے۔ ان مکتوبات سے اگر ایک طرف صحافیوں اور مدیروں کی جگر کاوی اور دماغ سوزی کی حوصلہ افزائی اور ان کے عزم و حوصلہ کو غیر معمولی جلا ملتی ہے تو دوسری طرف خود ان مکتوب نگاروں کی فکری، بلندی، قلم نوازی، کشادہ نفسی اور وسیع النظری کا شفاف آئینہ بھی نگاہوں کے سامنے جھلملانے لگتا ہے۔ کیونکہ کسی کے نام تعریفی اور توصیفی خطوط لکھنا بڑی بلند ہمتی اور فراخ دلی کا کام ہے۔ خاص طور پر بڑوں کے خطوط چھوٹوں کے نام آنا بڑی نادر چیز ہے۔ اگر لکھتے بھی ہیں تو بڑی

احتیاط ہے کہ کہیں کوئی نقصان کی حیثیتوں سے بلند ان کے قلم سے نہ نکل جائے اور کہیں لوگ اسے سند نہ بنالیں۔

بہر حال مجھے اس سلسلہ میں صرف حضور حافظ ملت کے نظریۂ فکر اور طریقۂ عمل کی ایک جھلک آپ کے سامنے پیش کرنا ہے۔ آپ بلا تفریق مراتب اہل قلم اور اہل صحافت کی جو قدر اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے اس سے آپ کی وسعت نظر، فراخی قلب اور قلم نوازی وغیرہ اوصاف جمیلہ کے بہت سے گوشے سامنے آجاتے ہیں۔ نیز مدیروں کے نام آپ کے مکتوبات کے مطالعہ سے آپ کے ذوق ادب، بلاغت قلم اور نکتہ سنج فکر کے شہ پارے بھی سامنے آجاتے۔ بلکہ بعض مکتوبات تو اردو مکتوب نگاری میں سرفہرست پیش کئے جا سکتے ہیں۔

جولائی ۱۹۶۶ء میں کلکتہ سے علامہ ارشد القادری مصباحی نے پندرہ روزہ "جام کوثر" جاری کیا اور پہلے دور کا پہلا جام جب شیخ طریقت حضور حافظ ملت کے ہاتھوں کے بیں آیا تو قلم برداشتہ اس کو کیف و سرور سپرد قلم کیا اور جام کوثر کے ساقی علامہ ارشد القادری مصباحی کے نام ارسال فرمادیا۔ وہ مکتوب گرامی ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

"آپ کا جام کوثر جمشید پور میں ملا تھا۔ جام کوثر کے متعلق یہ عقیدہ تھا اور ہے کہ ایک ہی جام پی کر پیاس ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی، مگر یہ آپ کا جام کوثر وہ ہے جس نے بے پناہ تشنگی بڑھادی جی چاہتا ہے کہ اس کو پندرہ روزہ نہیں ہفتہ وار نہیں، روزانہ بار بار پیا جائے یہ جام کوثر اپنی صوری و معنوی خوبیوں میں آپ اپنا نظیر ہے۔ پہلا ہی قدم اتنی بلندی پر ہے کہ چاروں طرف سے متوالے ٹوٹ پڑے۔ ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔ جو پڑھتا ہے پرچہ دینا نہیں چاہتا بہ دشواری ایک پرچہ مبارکپور تک لایا۔ بحفاظت اپنے پاس رکھ مگر حضرت مولانا شاہ غلام آسی صاحب نے اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ امید ہے کہ وہ اس سے جام کوثر کا کچھ کام ہی کریں گے۔ لیکن میں بے جام ہی رہ گیا۔ چاہتا ہوں کہ سب پرچہ اپنے پاس محفوظ رکھوں۔

میرا دلی منشا اور قیمتی مشورہ ہے کہ مسلمان اس کو اس طرح اپنائیں۔ جام کوثر ہر مسلمان کے گھر میں رہے اور ہر ہر پرچہ محفوظ رہے۔ بفضلہ تعالےٰ آپ صاحب لسان ہونے کے ساتھ پیکر ایثار و اخلاص ہیں پھر جام کوثر کے ثبات و دوام میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ صرف استقلال کی ضرورت ہے۔ مولیٰ تعالیٰ کرامت فرمائے، جام کوثر کو زیادہ سے زیادہ مقبولیت فرمائے۔ بام عروج و ترقی کی انتہائی منزل پر گامزن فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم"

یہ ہے حضور حافظ ملت کی صحافت نوازی، سچ یہ ہے کہ جام کوثر کے کیف و سرور کی عکاسی بھی کسی جام کوثر سے کم نہیں۔ آپ کے اس مکتوب پر تبصرہ نگاری میرے فکر و قلم سے بالاتر ہے۔ اب بلا تبصرہ ذیل میں مدیر پاسبان حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ کے نام ایک مکتوب اور پڑھئے۔ یہ حوصلہ افزا، دردمندانہ مکتوب آپ نے ماہنامہ پاسبان الہ آباد کے دوسری بار اجرا کے موقع پر ستمبر ۱۹۶۶ء میں تحریر فرمایا تھا۔ مکتوب ملاحظہ فرمائیے۔

"اس دور الحاد میں تبلیغ و ہدایت کی جس قدر شدید ضرورت

فرمائے جزائے خیر دے۔ آمین۔ عبدالعزیز عفی عنہ!

الگ ہے آج بھی دیکھو نشانِ حافظ ملت!

نتیجۂ فکر: کامل حافظی بنارسی

نہ سمجھے آج تک جو بھی زبانِ حافظ ملت — وہی پھرتے ہیں بن کر بدگمانِ حافظ ملت
کسی صورت نہ ہو پائے شکارِ خارجیت وہ — ہوئے جو صدق دل سے قدردانِ حافظ ملت
بھلا سکتا نہیں ان کو زمانہ رہتی دنیا تک — ہیں دینی سب ادارے پاسبانِ حافظ ملت
عزیز ملتِ دوراں بنایا جسکو قدرت نے — زہِ قسمت ہوا وہ ترجمانِ حافظ ملت
خدا کے فضل سے ہر گام پر ثابت قدم پایا — لیا دنیا نے جب بھی امتحانِ حافظ ملت
بنایا حق نے ان کو پاسبانِ قصرِ علمِ دیں — جنہیں کہتی تھی دنیا طالبانِ حافظ ملت
خداوند اترے فضل و کرم سے اس زمانے میں — ترقی کر رہے ہیں مدح خوانِ حافظ ملت
فروغِ دینِ حق کی فکر، کردارِ شہ بطحا — رہے تا عمر دونوں بن کے جانِ حافظ ملت
چھپائے لاکھ یہ دنیا مگر وہ چھپ نہیں سکتے — نرالی شان کے ہیں عاشقانِ حافظ ملت

کسی جانب نگاہیں کیوں اٹھاتے ہو تم اے کامل
الگ ہے آج بھی دیکھو نشانِ حافظ ملت

دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور

از حضرت بیکل اتساہی عزیزی بلرامپوری

ہے منور کتنا خد و خال مصباح العلوم — ضوفشاں ہر اک قدم ہے نعل مصباح العلوم
جھانکتی ہے جسکے پٹ سے شان مستقبل کی لاج — رحمتوں کی گود میں ہے حالِ مصباح العلوم

فصلِ گل کا رازداں گلزار مصباح العلوم — نشر گاہ سنت، افکار مصباح العلوم
ہر قدم درس محبت، ہر چلن جانِ شعور — کتنے خوش آئند ہیں آثار مصباح العلوم
منکرِ علم شہ والا پنپ سکتا نہیں — ہاتھ ملتا جائیگا بیزار مصباح العلوم
میری جانب اک نگاہ ملتفت اے اہلِ خیر — ہیں صدا دیتے در و دیوار مصباح العلوم
جب چٹک کر کوئی غنچہ اسکے گلشن میں کھلے — ساری دنیا کہہ اٹھے شہکار مصباح العلوم
دے اثر اس کو الٰہی صدقہ غیر الوریٰ — ہو مسیحا کے جہاں بیمار مصباح العلوم

کیوں نہ گونجے ہر طرف بیکل صدائے آفریں
چھا گئے جب ہر طرف انوار مصباح العلوم

ہے۔ اظہر من الشمس ہے۔ مسلمان اپنی جہالت سے بے دینی کا شکار ہو رہا ہے۔ دولت ایمان کھو رہی ہے کفر کی تاریکی، ظلم کی طغیان کی اندھیری چھائی ہوئی ہے۔ حق و صداقت کی آواز کان تک پہونچنا سخت دشوار ہو گیا ہے۔

ایسے نازک دور میں پاسبان کی دوبارہ زندگی سے بیحد مسرت ہے۔ پاسبان بڑا ہی زریں مقصد لے کر اٹھا ہے۔ دین و ملت کی پاسبانی کرنا چاہتا ہے۔ مولائے کریم اس کو ثبات و دوام اور استحکام عطا فرمائے اور اسی مقصد کے تحت چلنے کی توفیق رفیق بخشے۔

فاضل نوجوان مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی مدیر پاسبان و مجاہد ملت شیر حق الحاج حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب قبلہ سرپرست پاسبان کی یہ مخلصانہ سعی قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔ مولائے تعالیٰ قبول

ایک جامع کمالات شخصیت

از مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی صدر المدرسین الجامعۃ القادریہ رچھا اسٹیشن بریلی شریف

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اس عالم رنگ و بو میں بے شمار افراد انسانی وجود پذیر ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پیوند خاک ہو گئے۔ کتنی ہستیاں صفحۂ ہستی پر نمودار ہوئیں اور پردۂ عدم میں روپوش ہو گئیں۔ از آدم تا ایں دم لاتعداد انسانوں نے جنم لیا اور اس دار فانی کو خیرباد کہہ کر رخصت ہو گئے۔ روزمرہ آمد و رفت کا یہ سلسلہ جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا۔

لیکن کتنے موقر لوگوں کو دنیا نے یاد رکھا۔ اور کتنے عظیم افراد کو تاریخ نے اپنے دامن میں محفوظ رکھا۔ ایسے نفوس قدسیہ اور جامع کمالات اشخاص کی تعداد ہر دور میں قلیل ہی رہی ہے۔ جنھوں نے گمگشتگان راہ منزل کی صحیح رہنمائی فرمائی۔ نور توحید سے تاریک قلوب کو مجلی و مصفیٰ فرمایا عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے سرشار کیا۔ سینوں میں محبت رسول کی جوت جگائی عظمت رسول سے آشنا کیا اور بے شمار اوصاف حمیدہ۔ خصائل حسنہ کا خوگر بنا کر لاتعداد محاسن جلیلہ اور شمائل حمیدہ کے آبدار موتیوں سے ظاہر و باطن کو مزین فرمایا۔

آیئے ہم آپ کو ایسی ہی ایک ہستی کا تعارف کرائیں جس کے افعال و اقوال۔ کردار و اعمال اور شب و روز کے معمولات ہمارے لئے قابل تقلید نمونہ ہیں۔ جس نے نصف صدی تک دین و ملت کی حفاظت و پاسبانی کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دیا۔ جس کی بدولت آج دنیا ان کو حافظ ملت کے نام سے جانتی و پہچانتی ہے۔

دو شنبہ کا مبارک دن ہے ہر طرف سہانا سماں ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ یہ وہ مبارک دن ہے جس کو نسبت ہے اس ذات والا صفات سے جو محسن انسانیت ہے۔ باعث ایجاد عالم ہے۔ سرور کون و مکاں ہے۔ فخر آدم و آدمیاں ہے۔ ان روح پرور لمحات میں ایک آنے والے کی آمد کا انتظار ہے۔ نور و نکہت سے بھری رات اپنی آخری ضیاء سے عالم کو منور کر کے رخصت ہونے والی ہے۔

پھر آنے والا بھوجپور کی سرزمین پر رونق افروز ہو گیا۔ محبت بھرے انداز میں عزیز و اقارب نے نہ جانے کن کن القاب سے یاد کیا لیکن جد مکرم نے فرمایا اس کا نام عبد العزیز ہے اور پھر فرمایا کہ دہلی میں اس نام کے ایک مشہور محدث گزرے ہیں۔ میں بھی اپنے فرزند کو عالم بناؤں گا۔ علم میں یہ انھیں کا پرتو ہو گا۔ اور ایسا ہی ہوا کہ جب وقت آیا تو کسی نے سند المحدثین کہا تو کسی نے جلالۃ العلم۔ اور کسی نے رئیس الاتقیاء تو کسی نے سید المحققین۔ اور سب نے مل کر ان کو حافظ ملت کے لقب سے یاد کیا جو آج بھی زبان زد خاص و عام ہے۔

بلاشبہ وہ اپنے دور میں مذکورہ بالا صفات سے ہی نہیں بلکہ ان کا ظاہر و باطن صدہا اوصاف و کمالات سے مزین تھا۔ وہ علم شریعت و طریقت کے تعلق سے مثال مجمع البحرین تھے۔ وہ سچے نائب اور دینی پیشوا تھے۔

ان کے اقوال سے قادری اثر ان کے اذکار سے غزالی جھلک۔ ان کے استدلالات سے رضوی چمک۔ ان کے درس سے امجدی جھک۔ ان کے خصائل سے اشرفی مہک۔ ان کے زہد و اتقاء سے نوری دمک اور ان کے عقائد و نظریات سے بریلوی مسلک نمایاں تھا۔

حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ہمیشہ اپنے اسلاف کی معین کردہ راہوں کی قدر کی بلکہ ان کو تا دم آخر اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا۔ ان کی تعلیمات پر عمل کیا اور اپنے لئے ان کو شاہراہ عمل تصور خیال فرمایا۔ ان کی مکمل حیات مبارکہ صلحاء امت کی سیرو

سوانح کی واضح و روشن نشانی تھی۔
عہد طفولیت سے لے کر قیام مبارک پور تک کی سیرت پر آپ ایک طائرانہ نگاہ ڈالئے تو آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائیگا کہ کس طرح آپ نے اسلاف کی زندگیوں کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنایا۔ اور کسطرح انکے ذکر وعقیدہ حرزجاں بنایا۔

عہد طفولیت

آپ نے ایک انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا۔
قرآن مجید میں نے اپنے والد صاحب سے یاد کیا۔ فارسی کچھ بھوجپور مولوی عبدالمجید صاحب سے کچھ پیپلسانہ جناب مولوی حکیم مبارک اللہ صاحب اور جناب حافظ حکیم نور بخش صاحب سے پڑھی۔ میرا مبلغ علم حفظ القرآن۔ اردو درجہ چار۔ فارسی گلستاں اور بوستاں ہوا اور بس ختم۔
بھوجپور کے رئیس اعظم شیخ حمید الدین صاحب نے مجھے اپنی مسجد کا امام مقرر کر دیا اور مسجد ہی میں مدرسہ حفظ القرآن قائم کر کے مجھے اس کا مدرس مقرر کر دیا۔ میں امامت و مدرسہ کے فرائض انجام دینے کے علاوہ اپنے پڑوسیوں سے زیادہ گھر کا کام کرتا تھا اور روزانہ ایک قرآن پڑھتا تھا۔ اسی طرح پانچ سال گذرے۔ میں والدہ سے کہا کرتا تھا کہ تم کہتی ہو دادا نے دعا کی ہے کہ یہ میرا بچہ عالم ہوگا۔ عالم تو میں ہوا نہیں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ دادا صاحب کی دعا کا اس طرح اثر ہوا کہ مرادآباد سے جناب حکیم محمد شریف صاحب بھوجپور مریض دیکھنے آیا کرتے تھے۔ میری اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے میرے اوپر ان کی نظر عنایت ہوئی۔ فرمایا۔ حافظ صاحب میں آپ کو طب پڑھاؤں گا۔ میں نے کہا حکیم صاحب میں غریب آدمی۔ میرے والد کثیر العیال۔ گھر کا دارومدار مجھی پر ہے میں باہر جا نہیں سکتا۔ حکیم صاحب نے کہا ٹرین سے مرادآباد آؤ۔ سبق پڑھ کر واپس آجایا کرو۔ تمہارا نقصان نہیں ہوگا۔ آمدورفت کا کرایہ میں دوں گا۔ میں نے والد صاحب سے عرض کیا۔ والد صاحب نے فرمایا۔ اتنا بڑا حاذق طبیب طب پڑھانے کی خواہش کرتا ہے ضرور پڑھو۔ لیکن یہ آنا جانا مناسب نہیں۔ جاؤ مرادآباد رہو۔ محنت سے پڑھو۔ خدا حافظ ہے۔

دور طالب علمی

والد صاحب امامت و مدرسی کے فرائض انجام دینے لگے۔ میں مرادآباد حکیم محمد شریف صاحب کی خدمت میں طب پڑھنے کے لئے حاضر ہوا۔ حکیم صاحب نے گلستاں میں میرا امتحان لیا۔ اس کے بعد فرمایا آپ کا دماغ عربی کے لائق ہے آپ عربی پڑھئے اور عربی میں طب پڑھئے۔ حکیم صاحب نے مجھے میزان شروع کرائی اور پندرہ روز میں میزان منشعب ختم کرادیں۔ میں نے یاد کر کے سنا دیں بعدہٗ نحو میر صرف میر پڑھانا شروع کیں۔ یہ دونوں کتابیں دو مہینے میں ختم کرائیں۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے مجھے پڑھانے سے انکار کر دیا فرمایا اب مجھے مطالعہ کرنا پڑے گا اور مجھے فرصت نہیں۔ میں نے ہر چند کوشش کی اصرار کیا لیکن تیار نہیں ہوئے۔
میرے متعلق شہرت ہو گئی تھی کہ عربی پڑھ رہے ہیں۔ میں نے گھر چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا اور جامعہ نعیمیہ میں داخلہ لے لیا۔ تین سال تک جامعہ نعیمیہ میں پڑھا۔ شرح جامی۔ قطبی وغیرہ تک پہونچے۔ اسی دوران جامعہ نعیمیہ میں آل انڈیا سنی کانفرنس ہوئی۔ ہندوستان کے چوٹی کے علماء جمع ہوئے۔ ہم نے سوچا انھیں میں سے کسی کو منتخب کرو۔ بہت غور کے بعد ہم لوگوں نے طے کیا کہ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب قبلہ سے عرض کرو۔ عرض کیا تو فرمایا اجمیر شریف آجاؤ پڑھا دوں گا۔ چنانچہ حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب علی گڑھی، حضرت مولانا شمس الدین صاحب جونپوری، جناب مولانا قاری اسد الحق صاحب اور جناب حافظ ضمیر حسین صاحب مرادآبادی اور میں پانچ طالب علم اجمیر شریف حاضر ہوئے حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ نے حسب وعدہ ہمیں پڑھا دیا۔ فرمایا کرتے تھے۔ عمر میں ایک ہی جماعت پڑھنے والی ملی۔ بہرحال مایوسی کے بعد میرے دادا کی دعا کا ظہور ہوا۔ خداوند قدوس نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مجھے علم عطا فرمایا۔ فللہ الحمد والمنۃ۔[1]
حضرت علامہ عبد المصطفےٰ ازہری خلف کبیر حضرت صدر الشریعہ آپ کے قیام اجمیر شریف کے بارے میں

[1] ماہنامہ اشرفیہ حافظ ملت نمبر ص۶۵،

رقم طراز ہیں۔

میں فقیر عبدالمصطفیٰ الازہری غفرلہ کہتا ہوں کہ حافظ صاحب اور ان کے ساتھ چند اور دوست حبیب مراد آباد سے اجمیر شریف آئے تو وہ میرا ابتدائی زمانہ تعلیم تھا۔ ہم لوگ والد صاحب کے ساتھ دھان منڈی کے دارالاقامہ، بورڈنگ، میں اس زمانہ میں سکونت اختیار کئے ہوئے تھے، اس کے بعد یہ بورڈنگ ہاؤس وہاں سے منتقل ہو کر درگاہ بازار آگیا اس بورڈنگ کے سامنے ایک بڑی مسجد تھی جو غالباً گھانس کٹلہ کی مسجد کہلاتی تھی۔ حافظ صاحب وہاں امامت پر مقرر ہو گئے تھے اور جب تک اجمیر شریف میں رہے وہیں اقامت پذیر رہے۔ حضرت قبلہ صدر الشریعہ کے یہاں حاضری اکثر دیا کرتے تھے۔ اور والد صاحب کے گھریلو تمام کام۔ بازار سے کپڑا لانا۔ تھوک سامان وغیرہ لانا یہ سب حافظ صاحب کے سپرد تھا اور وہ ان کاموں کے بہت ماہر تھے۔ گندم خریدنا اور پسوانا۔ پھر پسا ہوا آٹا گھر پہونچانا یہ سب کام بڑی محنت سے کیا کرتے تھے۔ اور تعلیم و مطالعہ میں زیادہ تر وقت صرف کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت نے استعفیٰ دیا تو حافظ صاحب۔ مولانا رفاقت حسین صاحب۔ مولانا غلام جیلانی صاحب مولانا شمس الدین صاحب۔ مولانا غلام یزدانی صاحب اور دیگر حضرات اپنی کتابوں کے پڑھنے کے لئے گھر پر ہی آیا کرتے تھے اور پھر حدیث شریف کی تکمیل وہیں ہوئی۔ لیکن اختلاف کی وجہ سے دستار بندی کی رسم ادا نہ ہو سکی۔ اس کے قبل آپ حضرات کا سالانہ امتحان مولانا فضل حق رامپوری علیہ الرحمہ نے لیا اور اپنی معائنہ رپورٹ میں اس بات کی تصریح کی کہ پورے ہندوستان میں کسی مدرسہ میں ایسے طالب علم ہرگز نہیں۔ اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں اجمیر شریف سے والد صاحب قبلہ بریلی آگئے۔ اور بریلی شریف میں ۱۹۳۳ء تک آپنے قدیم وجدید اور دیگر نایاب کتابیں حضرت قبلہ والد صاحب سے پڑھیں جن میں مذکورہ بالا افراد بھی ہم درس تھے۔ غالباً ۱۹۳۳ء کے آخر میں مبارکپور والوں نے اپنے مدرسہ کے لئے ایک عالم کی خواہش ظاہر کی۔ والد صاحب قبلہ کی نگاہ انتخاب بے شمار وجوہ کی بنا پر حافظ صاحب پر پڑی جن میں سے بعض کی طرف اشارہ حضرت نے اپنے اس گرامی نامہ میں بھی کیا ہے جو حافظ صاحب کی تقرری کے لئے وہاں سے بھیجا تھا جس میں خاص کر مبارکپور کے اور ضلع اعظم گڈھ کے ماحول میں آپ کے سموئے جانے کا تذکرہ بھی تھا۔ والد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی پیشین گوئی اور بالغ نظری کا ثبوت یہ طویل عرصہ ہے جو ۱۹۳۳ء سے آج تک پر مشتمل ہے۔ حافظ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی چند خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے اساتذہ اور اپنے تمام مشائخ اور ان کے متعلقین کا پورا پورا ادب کرتے تھے۔ کسی فعل یا قول سے یا ترکیب سے وہ ایسا ظاہر نہیں کرتے تھے کہ کسی بزرگ سے تعلق میں کمی ظاہر کریں۔ میں جب ۱۹۶۱ء میں ہندوستان حاضر ہوا تو حافظ صاحب خود میرے مکان پر ملنے کے لئے تشریف لائے۔ اتفاق سے میں دوسری جگہ تھا تو وہاں تشریف لائے۔ ملاقات کی اور نہایت ہی محبت و تواضع سے پیش آئے۔ یہ میری آخری ملاقات تھی اس کے بعد ان سے ملنے کا موقع میسر نہ آسکا۔[1]

یہ مختصر سوانح آپ اپنے سامنے رکھیں اور پھر دیکھیں کہ آپ نے کس حوصلہ شکن اور صبر آزما دور سے گزرتے ہوئے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ اس مختصر سوانح میں آپ کو خلوص و للہیت، صبر و شکر۔ جد و جہد۔ اطاعت و فرمانبرداری زہد و اتقاء۔ قناعت و ریاضت فقر و غنا۔ ادب و احترام۔ تواضع و انکساری۔ حزم و احتیاط جیسی کثیر صفات نمایاں طور پر نظر آئیں گی اور جب یہ اوصاف و کمالات کسی ایک ذات میں جمع ہو جائیں تو پھر اس ذات عالی صفات کا بارگاہ خداوند قدوس میں مقرب و مقبول ہو جانا محل تعجب اور حیرانگیز بات نہیں۔ حافظ ملت اپنے دور کی ان چند ممتاز ہستیوں میں سے ایک تھے جن پر قوم و ملت کے عروج و ارتقاء کا دارومدار ہوتا ہے۔ انھوں نے قوم و ملت کی تعمیر میں وہ نمایاں کردار ادا کیا جس کو ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا اور اپنے پیچھے علماء ربانیین۔ فضلاء و مفکرین۔ ائمہ و مرشدین۔ خطباء و مقررین۔ واعظین و مناظرین

لہ حافظ ملت نمبر ص ۸۳

اور مصنفین و مدبرین کا ایک ایسا عظیم قافلہ اور ایسی مبارک جماعت چھوڑی ہے جس کی ضیاء پاشیاں اور نور افشانیاں تاقیامت عالم کو منور کرتی رہیں گی۔

عظیم کارنامے

الجامعۃ الاشرفیہ ان کا ایسا عظیم کارنامہ ہے اور ایک ایسی دینی و علمی فیکٹری ہے کہ جہاں سے بے شمار علماء و فضلاء مذہب اسلام کی نشر و اشاعت اور ترویج و تبلیغ کے لئے کل پرزے بنکر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے اور نصف صدی میں افق عالم پر چھا گئے۔ اور تاہنوز یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ آپ کی خدمات دینیہ برصغیر ہند و پاک تک ہی محدود نہیں بلکہ آج اہل اسلام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور کانوں سے سن رہے ہیں کہ ایشیاء و یورپ کے بام و در اسی مرد حق آگاہ کے تلامذہ و خلفاء کی صدائے دلنواز سے گونج رہے ہیں اور افریقہ و امریکہ کے باشندگان کے قلوب اسی کی تعلیمات کے نور سے اپنے تاریک دلوں کو جگمگا رہے ہیں۔

بلاشبہ آپ کو یہ فیض صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے واسطے سے ہندوستان کی ان عظیم بارگاہوں سے ملا تھا جو اہل ہند کا مرکز عقیدت اور مرکز علم و فن تھیں۔ ایک ایسی بارگاہ کہ جہاں سے اہل ہند کو اسلام ملا اور ہندوستان کی تاریک فضا اسی بارگاہ کے طفیل پُر نور و پُر بہار بن گئی دوسری بارگاہ جہاں سے چودھویں صدی میں اہل ہند ہی نہیں بلکہ اہل عالم کو سب کچھ ملا۔ علم و فضل بھی اور عشق و محبت رسول بھی۔ حلاوت ایمان و ایقان بھی اور ناموس رسالت پر مر مٹنے کا والہانہ جذبہ بھی۔ اپنوں کے لئے محبت و اخوت بھی اور دشمنان رسول کے لئے شدت و عداوت بھی۔

میری مراد ہیں اجمیر شریف و بریلی شریف۔ ان دونوں مبارک بارگاہوں سے جو فیوض و برکات حضور حافظ ملت نے حاصل کئے تھے وہی پوری زندگی تقسیم فرماتے رہے اور ہمیشہ یہی تعلیم فرمائی کہ اپنے مرکز کو کبھی نہ بھول جانا اور اپنے محسنوں کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ کیونکہ محسن کو بھول جانا بہت بڑی ناشکری ہے اور مرکز سے جدا ہو کر آدمی کہیں کا نہیں رہتا، بلکہ تباہ و برباد اور نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ مرکز سے متعلق کلام فرماتے تو یہ شعر ضرور پڑھتے ؎

مرکز سے جدا ہو کے تباہی کا فسانہ
پوچھو اسی پتہ سے جو ٹوٹا ہے شجر سے

حافظ ملت کی تعلیمات محض زبان و قلم تک محدود نہیں تھیں بلکہ جو فرماتے اس پر عمل کرنا ان کا فطری شعار تھا۔ اور یوں کہا جائے تو بجا ہوگا کہ ان کی پوری زندگی عمل سے عبارت تھی۔ ان کی نشست و برخاست سفر و حضر۔ عبادت و ریاضت اور دیگر صفات محمودہ اس بات پر شاہد عدل ہیں۔

وہ کونسا میدان تھا جس کا حافظ ملت نے قوم کو درس نہ دیا ہو۔ قوم و ملت کا معمار وہی شخصیت ہو سکتی ہے جس نے ہر موقع پر قوم کو تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کی راہوں پر گامزن کیا ہو۔ پستی سے نکال کر عروج بخشا ہو۔ بوریا نشینوں کو مسند نشیں بنایا ہو اور انسانوں کو ان کے عظیم اور بلند مقام سے روشناس کرایا ہو۔

ان تمام صفات سے حافظ ملت کی ذات ستودہ صفات بدرجۂ اتم متصف تھی۔ یہ تمام کمالات رب کریم نے خوب فیاضی سے ان کو عطا فرمائے تھے۔ آپ نے تادم آخر اپنا یہی نظریہ قائم و دائم رکھا کہ قوم و ملت کی کامرانی ہی میں اپنی سعادت ابدی و سرمدی مضمر و پوشیدہ ہے۔

عمل پیہم

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان جہد مسلسل اور عمل پیہم کی چلتی پھرتی تصویر تھے اور حدیث پاک (افضل الاعمال ادومہا) کی جلوہ نمائی آپ کی ذات اقدس میں بھر پور موجود تھی۔ اس کو دیکھنا ہے تو آپ ان کے صبر آزما حالات اور مشقتوں سے لبریز اعمال زندگی ملاحظہ کیجئے۔ ہر میدان میں آپ کو یہ عنصر غالب ملے گا۔ خواہ عبادت و ریاضت ہو یا خدمت دین۔ ملی کارنامے ہوں یا شخصی معاملات۔

سب سے اہم چیز جو اس سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہے اور جو اپنے اندر اس طرح کے کثیر امور پنہاں رکھتی ہے وہ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر و ترقی ہے۔ جب آپ مبارکپور کی سرزمین پر رونق افروز ہوئے تو آپ کے سامنے چند چیزیں تھیں۔

ایک جانب دشمنان اسلام اور گستاخان رسول سے نبرد آزمائی اور بحث و مباحثہ تھا۔ جو آپ کے آتے ہی شروع ہو گیا تھا۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب مصباحی اس وقت کے حالات کو قلمبند فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: آپکے بڑھتے ہوئے اثرات اور علمی وجاہت دیکھ کر دیوبندی مکتب فکر کے مولوی شکر اللہ مبارکپوری نے تقریروں کے ذریعہ چھیڑ چھاڑ شروع کی اور پھر دونوں طرف سے مقابلہ کی تقریریں شروع ہو گئیں۔

ایک دن حضرت کی تقریر ہوتی اور ایک دن مولوی شکر اللہ کی۔ اس وقت حضرت کے طلبہ بھی بڑی محنت و مستعدی کے ساتھ حضرت کی معاونت کرتے۔ حافظ ملت فرمایا کرتے کہ وہ طلبہ میرے لئے قوتِ بازو تھے، مخالف مقرر کی تقریر نوٹ کرتے اور شام کو سارے مشاغل سے فراغت کے بعد حضرت اسے سنتے۔ عصر سے مغرب تک کی درمیانی مدت جوابی تقریر کی سماعت اور جواب الجواب کے لئے طلبہ کی تیاری میں صرف ہوتی۔ اگرچہ یہ سلسلہ مسلسل ساڑھے چار ماہ تک تھا۔ مگر تدریسی مشاغل۔ غیر درسی اوقات میں کچھ کتابوں کی تدریس۔ اہل محلہ اور ملاقاتیوں کی دلداری اور اس طرح کے بہت سے مشاغل کا ہجوم رہتا۔ ۱؎

اس اقتباس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تقریری مناظرہ ساڑھے چار ماہ تک جاری رہنا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ دوسرے مشاغل میں خصوصاً درس و تدریس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں آتی بلکہ تمام کام روزانہ بحسن و خوبی انجام پاتے۔ آپ کی مسلسل جدوجہد ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک دن وہ بھی آیا جب بد مذہبی اور گمراہی کے بادل چھٹ گئے۔ قلعہ دیوبندیت میں زلزلہ آگیا اور فتح و کامرانی نے حافظ ملت کے قدم چومے پیچ ہے

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

آپ مبارکپور کی سرزمین پر تقریباً چوالیس سال مقیم رہے اور آج بھی وہیں آرام فرما ہیں۔ اس چوالیس سالہ مدت مدیدہ میں آپنے اپنے آپ کو الجامعۃ الاشرفیہ کے لئے ایسا وقف فرما دیا تھا کہ اس کی خاطر اپنے آبائی وطن کو بھی خیرباد کہا عزیز و اقارب کی جدائی بھی گوارہ کی اور اپنا متاع دنیا و آخرت اسی جامعہ کو سمجھا۔ ایسی مثال دور حاضر میں مشکل سے ملے گی۔

آپ نے صرف اور صرف الجامعۃ الاشرفیہ ہی کو دوسرے دینی کاموں کے لئے کیوں اختیار فرمایا۔ تو اس کی وجہ خود متعدد مواقع پر بیان فرمائی۔

مسجد بنانا ثواب ہے، سرائے بنانا ثواب۔ یتیم خانہ بنانا ثواب۔ مگر مدرسہ سب سے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر علماء پیدا نہ ہوں گے تو ان سب کو کون آباد کرے گا کون حفاظت کرے گا۔ میں نے مدرسہ بہت سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے ۲؎

اسی جذبہ و خلوص کی بنیاد پر آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ قائم فرمایا کہ اگر یہ آباد ہے تو پھر سیکڑوں مسجدیں بھی آباد اور بیشمار دینی امور بھی محفوظ و قائم رہیں گے۔ جامعہ قائم فرما کر حافظ ملت نے جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر ہر شخص اپنی نگاہوں سے دیکھ سکتا ہے کہ ایشیا و یورپ اور افریقہ و امریکہ کے ہزاروں مدارس۔ بے شمار مساجد آباد ہیں اور لاتعداد انسان ان سے فیض پا رہے ہیں۔

اب وہ خواب نہیں رہا بلکہ ایک سچی واقعی حقیقت بن گیا ہے۔ آپ کی تعلیمات ہزاروں انجمنوں کی شمع بن کر جگمگا رہی ہے۔ کتنے خزاں رسیدہ چمنستان پر بہار ہو گئے ہیں۔ اور حافظ ملت کے واسطے سے مسلک اعلیٰ حضرت کا اجالا یورپ و افریقہ کے بام و در تک پہونچ گیا ہے۔

عبادت و ریاضت میں فرائض و واجبات کے علاوہ کچھ ایسے معمولات تھے جن کو ان کے اوقات میں مکمل پابندی کے ساتھ ادا فرماتے۔ سفر ہو یا حضر۔ بیماری ہو یا صحت۔ خلوت ہو یا جلوت لیکن آپ کے معمولات میں سر مو فرق نہ آتا۔

نماز تہجد

حافظ ملت فرائض و سنن کے بچپن سے پابند تھے۔ جب سے بالغ ہوئے نماز تہجد شروع کر دی جس پر آخری عمر تک عمل رہا ہے۔ صلوٰۃ الاوابین اور دلائل الخیرات شریف وغیرہ روزانہ بلاناغہ پڑھتے۔ آخری ایام میں پڑھنے سے معذور ہو گئے تو دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے۔ ہر روز سورہ یٰسین و سورہ یوسف کی تلاوت کا التزام رکھتے اور جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کا بھی معمول تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت آپ کا محبوب مشغلہ بلکہ آپ کی روحانی غذا تھی۔ ۳؎

۱؎ حافظ ملت نمبر ص۱۰۵ ، ۲؎ ایضاً ص۲۳۵ ، ۳؎ حافظ ملت نمبر ص۲۳

ایک مرتبہ خود ہی ارشاد فرمایا پانچ سال تک میں چار کام مستقل کرتا رہا۔ گھر کا کام اپنے پڑوسیوں سے زیادہ آبادی کے مدرسہ کی معلمی۔ مسجد کی امامت اور روزانہ ختم قرآن مجید ؎

ایک موقع پر فرمایا۔ الحمدللہ، اپنی جوانی کے ایام میں چھ گھنٹے میں پورا قرآن مجید مصلی پر کھڑے ہوکر پڑھتا تھا اور کھانسنے اور ناک صاف کرنے کی حاجت نہیں ہوتی تھی ؎

نماز نصف شعبان

شب برات میں سو رکعت

نماز پڑھنے کی فضیلت اس طرح حدیث شریف میں وارد ہے۔ جس نے سو رکعت نماز پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے پاس سو فرشتے بھیجتا ہے۔ تیس اسے جنت کا مژدہ سناتے ہیں۔ تیس عذاب دوزخ سے مامون رکھتے ہیں۔ تیس آفات دنیا سے محفوظ رکھتے ہیں اور دس شیطان کے شر سے حفاظت کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ شب برات میں یہ حدیث بیان فرماکر ارشاد فرمایا۔

ان عظیم فوائد کے پیش نظر

• شب برات میں یہ نماز پڑھ لینی چاہیے سو رکعت نماز پڑھنے میں دیر نہیں لگتی بس ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہے۔ میں اس نماز کا پابند ہوں۔ امسال شب برات میں اختلاف رہا تو میں نے کل بھی سو رکعتیں پڑھیں اور آج بھی ؎

اس بیان سے بخوبی واضح ہوگیا کہ آپ کا یہ عمل بھی دوامی تھا۔ اس طرح کے بے شمار وظائف و اعمال حافظ ملت کی حیات طیبہ میں مل سکتے ہیں۔ لیکن یہ انھیں لوگوں کا حصہ ہے جنہوں نے آپ کے سفر و حضر۔ خلوت و جلوت اور سیرت مبارکہ کے ہر زاویہ کو اپنی نگاہوں سے دیکھا ہو۔ یا تلاش بسیار و کامل تحقیق کے ذریعہ سیرت کے ہر پہلو کا مطالعہ کیا ہو۔ راقم الحروف کا حال تو یہ ہے کہ اس جامع الصفات شخصیت کے دیدار سے بھی محروم رہا۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی آپ کے نزدیک اہمیت

جامعہ سے آپ کو کس قدر قلبی لگاؤ تھا۔ اس کو آپ کے ملفوظات کے ذریعہ ہی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ آپ اکثر و بیشتر یہ فکر انگیز جملہ فرمایا کرتے تھے۔

• الجامعۃ الاشرفیہ کی تکمیل کا مجھے جنون ہے۔ جیسے جنون ہو اسے کب اپنا خیال رہتا ہے ؎

• میاں اونچ نیچ ہوش و حواس والے کو سمجھایا جاتا ہے اور میں تو الجامعۃ الاشرفیہ کے لئے عقل و ہوش کی دنیا سے نکل کر جنون کی سرحد میں داخل ہوچکا ہوں۔ اس لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ؎

ایک مرتبہ بیماری کے عالم میں لوگوں نے آرام کا مشورہ دیا تو آپ نے جوانمردی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

• بلا وجہ آپ لوگ مجھے کام سے روکتے ہیں اور کہیں جانے نہیں دیتے۔ بیمار خود اپنی حالت سب سے بہتر جانتا ہے۔ جب میں خود اپنے کو صحتیاب پا رہا ہوں تو آپ لوگ کیوں بیمار بیمار کی رٹ لگا رہے ہیں ؎

اشرفیہ کے لئے اپنی تڑپ اور جگر سوزی کو آپ نے ایک مرتبہ اس طرح بیان فرمایا۔

• میں اشرفیہ کے لئے اپنی جان کھپا سکتا ہوں مگر اس کی پستی آخر دم تک برداشت نہیں کرسکتا۔ میں نے اشرفیہ کو اپنا پسینہ نہیں خون پلایا ہے ؎

ان تمام اقوال و ملفوظات کے ذریعہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حافظ ملت کو اشرفیہ سے ایسی والہانہ محبت اور وارفتگی تھی کہ وہ اس کی تعمیر و ترقی میں اپنا سب کچھ لٹانے اور قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار تھے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی کامل وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ان کے یہ اقوال صرف دعویٰ نہیں تھے بلکہ آپ کے شب و روز کو بچشم خود ملاحظہ کرنے والے بخوبی واقف ہیں کہ انھوں نے جو کچھ فرمایا اس پر عمل کرکے بھی دکھایا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ پہلے عمل فرمایا بعدہ ان افعال و اعمال کی وضاحت اپنے اقوال و ملفوظات کے ذریعہ فرمائی جو آج انمول موتیوں کی شکل میں صفحۂ قرطاس کی زینت یا متعلقین کے قلوب پر ثبت ہیں۔ اور وہ صرف اس لئے کہ جو لوگ دیکھ کر عمل نہ کرسکیں وہ ان جملوں کو بار بار پڑھ کر یا سن کر ہی عمل کی شاہراہ متعین کرلیں۔ یعنی اپنی خودستائی یا بڑائی مقصود نہیں تھی بلکہ محض تبلیغ و تعلیم اور رشد و ہدایت کا جذبۂ صادق کارفرما تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اشرفیہ کے عروج و ارتقاء۔

ؐ ۵۲ ج حافظ ملت نمبر ص ۳۵ ع ایضاً ص ۱۳۳ ؎ ۲۰۷ ؎ ۲۰۶ ؎ ۲۰۵ ؎ ۲۰۸

ثبات و دوام اور استحکام کے لئے آپ نے مثالی کارنامے اور ٹھوس اقدامات کئے جس سے قوم مسلم کے لئے ان کی حیات ظاہری تک ہی اشرفیہ کی خدمات محدود نہیں رہیں بلکہ جس طرح ماضی میں اشرفیہ نے شاندار ریکارڈ قائم کیا ہے اسی طرح آج بھی مثالی کردار ادا کر رہا ہے۔ آج بھی وہ عالم اسلام اور مسلمانان ہند کی عزت و ناموس کا محافظ ہے۔ تشنگان علم سیراب ہو کر جاتے ہیں۔ جن کے ذریعہ اسلامیان ہند علم دین کی دولت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

بے مثال مدرس

خارجی مصروفیات اور کثرت مشاغل کے تحت ہو سکتا ہے کوئی یہ خیال کرے کہ حافظ ملت کو درس و تدریس کا موقع ہی نہیں ملتا ہوگا اور وہ اس کام کو بحسن و خوبی انجام نہیں دے پاتے ہوں گے۔ تو ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ کی شخصیت اس میدان میں بھی منفرد المثال تھی۔ آپ کی تعلیم میں تربیت کو زیادہ دخل ہوتا تھا۔ مبارکپور رجب تشریف لائے تو روزانہ ۱۳ اسباق پڑھاتے جن میں سب سے چھوٹا سبق شرح جامی کا ہوتا۔

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مصباحی اعظمی لکھتے ہیں۔

آج کی یونیورسٹیوں میں یہ طریقہ تعلیم رائج ہے کہ استاذ متعلقہ موضوع پر تیار ہو کر آتا ہے۔ اور اپنی تحریر کی مدد سے ایک لکچر دیتا ہے جسے طلبہ ذہن میں محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور تحریر میں لاتے ہیں یہ اس لئے ہوتا ہے کہ طلبہ کتابی نہیں اور زندگی بھر لکیر ہی نہ پیٹیں بلکہ وہ درسی کتابوں سے ہٹ کر بھی مطالعہ کی عادت ڈالیں اور وہ موضوع کے پابند رہیں کتابوں کے نہیں۔ اس لئے کتب درسیہ رہنمائے منزل علم ہیں منزل نہیں۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے کبھی ہمیشہ لفظ بلفظ ترجمے سے احتراز کیا بلکہ کتاب اور مبحث کو سامنے رکھ کر ایک ایسی تقریر فرماتے تھے جو موضوع کے تمام جزئیات اور کتاب کی عبارت کو حاوی ہوتی تھی اور طلبہ کے ذہن میں ایک خزانہ منتقل کر دیتی تھی۔ ان کے اس طریقہ تدریس نے طلبہ کو مطالعہ کا پابند بنا دیا تھا۔ بہت کم طلبہ ان کی مجلس درس میں بغیر مطالعہ شریک ہوتے تھے۔ آپ ان طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے جو اپنے مطالعہ کی روشنی میں ان سے سوالات کرتے تھے [۱]

حضرت مولانا نصیر الدین صاحب رقم طراز ہیں۔

درس نظامیہ کی اہم اور مشکل کتابوں کو برجستہ پڑھانے پر حضور حافظ ملت کو پوری قدرت حاصل تھی۔ ایک بار قاضی مبارک کا درس ہو رہا تھا۔ معمول کے مطابق درس ختم کر کے کتاب بند کرنی چاہی۔ ایک ذکی طالب علم نے اپنے ہمدرس کو اشاروں میں کہا کہ حافظ ملت کا مطالعہ یہیں ختم ہو گیا۔ حضرت نے کتاب کھول دی اور پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ طالب علم نے اپنے مطالعہ کے مطابق عبارت پڑھی۔ حضرت نے اسی شان سے درس دیا۔ اب طالب علم نے کتاب بند کرنا چاہی حضرت نے ارشاد فرمایا اور پڑھو مگر ان کا مطالعہ ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ خاموش بیٹھے رہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا عبدالعزیز کو قاضی پڑھانے کے لئے مطالعہ کی حاجت نہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ایک نشست میں پوری کتاب پڑھا سکتا ہوں۔ [۲]

ان اقتباسات سے بخوبی واضح ہے کہ میدان تدریس و تعلیم میں آپ کو ایسا ملکہ حاصل تھا کہ جس سے سب مطمئن بلکہ جملہ طلبہ خوش رہتے۔ اور تمام اسباق پابندی سے پڑھاتے کسی طالب علم کا نقصانِ تعلیم ہرگز گوارہ نہیں تھا۔ بلکہ غیر درسی اوقات میں تعلیم دینا بھی آپ کا مشغلہ تھا۔

تعلیم کے ساتھ تربیت اور شخصیت سازی حافظ ملت کے یہاں ایک ضروری و لابدی چیز تھی۔ جو طالب علم بھی آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہوتا اس کو روز اول ہی سے یہ ذہن دے دیا جاتا کہ محض تعلیم ہی رفعت و بلندی کی ضامن نہیں بلکہ اپنے اندر انقلاب پیدا کرو اور ان قدسی صفات کے حامل بن جاؤ جن کے ذریعہ علم کی نورانی کرنیں تمہارے وجود کو بھی منور کر دیں اور تم دوسروں کے لئے بھی مینارۂ نور ثابت ہو سکو۔

حافظ ملت کی تربیت کا انداز ایسا تھا کہ وہ طلبہ پر باپ سے زیادہ شفیق تھے۔ باپ کی محبت کبھی کبھی اپنے بیٹوں کے تعلق سے غیر متوازن ہو جاتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ باپ اپنے کسی ایک بیٹے سے زیادہ محبت کرنے لگتا ہے۔ یہی کہ بعض بیٹوں

کو باپ سے اس سلسلہ میں شکایت ہو جاتی ہے۔ لیکن حافظ ملت دو چار شاگردوں میں نہیں بلکہ ہزاروں تلامذہ کے درمیان ایسا مشفقانہ سلوک فرماتے کہ ہر طالب علم اور شاگرد یہ سمجھتا کہ حضرت مجھی کو زیادہ چاہتے ہیں اور میں ہی حضرت کا محبوب نظر ہوں خواہ وہ طالب علم ذکی ہو یا غبی ہر ایک اسی خیال میں مگن رہتا پھر اس پر مزید خصوصیت یہ کہ حضرت سے طلبہ کی یہ خوش عقیدگی عارضی نہیں ہوتی تھی بلکہ تادم زیست یہ خیال دل میں ایسا جاگزیں ہو گیا کہ رگ جاں کی طرح زندگی بھر کا رفیق بن گیا۔

معاصرین کی نظر میں

ارباب علم و فضل کے درمیان ہر قرن و صدی میں معاصرانہ چشمک ایک جزو لاینفک کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاریخ کے اوراق پر اس طرح کی بے شمار مثالیں مرقوم ہیں ہم زمانہ علماء کرام کی زندگیاں اس طرح کے وقائع و حوادث سے ہر دور میں دوچار رہی ہیں۔ البتہ اس چیز سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض نفوس قدسیہ وہ بھی گذرے ہیں جن کا تا زیست خطبہ پڑھا گیا اور تقریباً کل معاصرین ان کے علم و فضل۔ زہد و تقویٰ اور خلوص و للہیت جیسے اوصاف حمیدہ اور شمائل جلیلہ کا برملا اعتراف کرتے رہے۔ بلکہ غیر دل در بیگانوں نے بھی ان کی عظمت و جلالت علم کا اقرار کیا۔

دور حاضر میں حضور حافظ ملت کی ذات گرامی بھی اسی انجمن کا ایک عظیم فرد اور سلسلہ کی ایک اہم کڑی تھی۔ ذیل میں چند ارباب علم و فضل کے تاثرات کے ذریعہ اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ معاصرین کے نزدیک آپکو کیا مقام حاصل تھا۔

● علم و حکمت کا یہ درخشندہ آفتاب جس کی ضیاء باری سے اقطار ہند و بیرون ہند منور۔ جس کی شعاعیں دور دور بکھری ہوئی ہیں۔ جو یقیناً کھانے کے دسترخوان سے لیکر محراب و منبر اور مسند درس و افتاء سے تخت مشیخت تک حافظ ملت تھے [۱]

حضرت علامہ شاہ سید حسن میاں
سجادہ نشین آستانہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف

● سند المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی و سید المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارکپوری قدس سرہما دین کے دو آہنی بازو تھے [۲]

حضرت علامہ سید محمد قائم
قتیل دانا پوری،

● حافظ ملت علیہ الرحمہ کی ذات دنیائے درس و تدریس اور علم و حکمت کے لئے نعمت عظمیٰ تھی۔ اور گ۔ قدر ہر نعمت است بعد زوال
(اشرفیہ کی) یہ ساری بہار اسی (حافظ ملت) کے وجود مسعود کے دم سے ہے۔ اسی کے دم قدم سے ہے اسی کے فیض قدم سے ہے۔ یہ روشنی اسی کے جلوہ کی ہے۔

(حضور مفتی اعظم ہند
قدس سرہ العزیز)

حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ ایسے صاحب علم عالم تھے گویا عالم تھے۔ (حضرت برہان الملت خلیفہ امام احمد اور قدس سرہ)

مولانا (حافظ ملت) مخلص ایثار پسند، ہمدرد تھے۔ ان کی خوبیاں تحریر سے باہر ہیں۔

(حضرت مولانا سید مختار اشرف صاحب
کچھوچھہ شریف)

حضرت حافظ ملت محنت کرنے والے ساتھی تھے۔ عمر بھر دینی خدمات میں اوقات گذارے۔ تقویٰ و طہارت بھی مکمل تھی۔ صدمہ ایسا ہوا جو احاطہ بیان سے باہر بات ہے [۳]

(حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب اشرفی
بھاگلپوری علیہ الرحمہ)

مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ ارباب علم و فضل نے بھی آپ کی مدح سرائی اور تعریف و توصیف میں بہت کچھ کہا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ ملت کی شخصیت اپنے دور کی ممتاز ہستیوں میں سے ایک تھی۔ آسمان علم و فضل کے نیر تاباں تھے اور شریعت و طریقت کا سنگم۔ عاشق رسول اکرم شیدائے اہل بیت اطہار اور فدائے غوث اعظم تھے۔ آپ کی ہر ادا اخلاق نبوی کی سچی تصویر اور سلف صالحین کے اخلاق کریمانہ کی تعبیر تھی۔ عاجزی و انکساری۔ تواضع و خاکساری آپ کی فطرت ثانیہ اور آپ کا طرۂ امتیاز تھی۔ رب کریم سے دعا ہے کہ اپنے ان محبوب بندوں کو اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان مقربان بارگاہ کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے۔

ابر رحمت انکی مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

آمین بجاہ النبی الکریم
وصلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین۔

٭

[۱] حافظ ملت نمبر ص ۶ [۲] ایضاً ص ۶۳ [۳] حافظ ملت نمبر ص ۲۸۷

ایک تقویٰ شعار شخصیت

مولانا اعجاز احمد مصباحی رکن المجمع المصباحی مبارکپور۔

حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی ایک جامع الصفات شخصیت گزری ہے۔ آپ علم و فکر کی بلند سطح پر فائز ہونے کے ساتھ پیکر اخلاق۔ متبع سنت، متقی و پرہیزگار اور مونس و غمخوار بھی تھے۔ گھر کی چہار دیواری سے لے کر کوچہ و بازار تک، درسگاہ سے جلسہ گاہ تک اپنی آبادی سے لیکر دیار غیر تک ہر گام اور ہر منزل پر تقویٰ شعاری، پرہیزگاری اور دل آویز سیرت و کردار کا مظاہرہ فرماتے۔ فرائض و واجبات پر انگلی رکھنا تو دور کی بات ہے سنن و مستحبات کو ترک کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اس لئے جس نے دیکھا دیکھتا ہی رہ گیا۔ اپنوں نے دیکھا شیدا ہو گئے۔ غیروں نے دیکھا معترف و مداح ہو گئے۔ دیکھنے والوں نے کیا دیکھا ذیل میں قطار در قطار مشاہدات ملاحظہ فرمائیے۔

آپ کے ہم جلیس و پڑوسی الحاج محمد حسین صاحب فرماتے ہیں:

"حضرت اپنے محلہ کی مسجد میں پابندی وقت کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتے تھے وقت کی پابندی کرنے میں ان جیسا انسان نہیں دیکھا ٹھیک وقت پر نہ صرف مسجد پہنچنا ان کی عادت تھی بلکہ ہر کام اپنے وقت ہی پر کرتے تھے۔" (حافظ ملت نمبر ص۳۳۲)

اپنے انکیس تاثرات میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"رات میں چاہے کتنا بھی بیدار رہے ہوں۔ فجر کبھی قضا نہ دیکھی گئی۔"

(ایضاً ص۳۲۳)

مندرجہ بالا بیانات تو حضرت کے ہیں۔ مگر میں نے بارہا استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

"حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان فرائض و واجبات کے سلسلہ میں اتنے زیادہ پابند تھے کہ سفر میں بھی کوئی نماز قضا نہ ہوئی۔"

ساتھ ہی صوم و صلوٰۃ کی پابندی کا وہ منظر بھی قابل دید ہے کہ جب کہ حضرت شدت مرض کے زمانہ میں اپنے وطن بھوجپور مراد آباد میں مقیم تھے۔ مخدوم محترم سربراہ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ شاہزادہ حافظ ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ فرماتے ہیں:

"وصال سے پہلے رمضان میں .... ایک ہفتہ تک غذا بند رہی علاج ہوتا رہا ایسی حالت میں بھی روزہ نہیں چھوڑا۔ درخواست پیش کی گئی کہ شریعت نے ایسی حالت میں رخصت دی ہے فرمایا ہاں" لیکن جو ثواب رمضان میں ملتا ہے وہ تو نہیں ملتا ایسا مسکت جواب سن کر ہم لوگ منہ تکتے رہ گئے اس پر مزید یہ کہ بوقت کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا تہجد کے وقت اٹھ کر وضو کرنا۔ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا خود ہی سارا کام کرنے کی کوشش کرنا یہ اور بات ہے کہ ہم میں سے جو موجود ہوتا وہ خدمت بجا لاتا۔"

(ایضاً ص ۲۳۹)

یہ تو فرائض وواجبات کی بات تھی۔ سنن ونوافل کے معاملہ میں بھی پابندی حضرت کے متقی وپرہیزگار ہونے کی بین دلیل ہے۔ جناب ڈاکٹر عبد المجید صاحب ان دنوں کا واقعہ بیان کرتے ہیں جب کہ حضرت بغرض علاج بلرامپور میں مقیم تھے۔

"شدید بیماری کے دنوں میں نقاہت اتنی زیادہ تھی کہ ہم لوگ پریشان تھے مگر عین نماز کے وقت اٹھ کر بیٹھ جاتے اور وضو کر کے نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہم لوگ پیچھے کھڑے رہتے تاکہ بوقت ضرورت سنبھالا جا سکے لیکن رات کا یہ عالم ہوتا کہ ہم لوگوں کو بہ اصرار بھیجدیتے۔ جب مکمل سناٹا ہو جاتا عبادت میں مصروف ہو جاتے ایک روز دن کی حالت سے مجھے زیادہ پریشانی تھی ایک بجے رات میں حاضر ہوا چارپائی پر ضرب لگا رہے تھے میری زبان سے نکلا حضرت .... فرمایا آپ چلئے آرام کیجئے میں ٹھیک ہوں"

(ایضاً ص ۲۳۶)

کون نہیں جانتا کہ حافظ ملت نے حج جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے بھی۔ بین الاقوامی اور ملکی قانون تصویر کشی۔ سے اجتناب پر پرہیز فرمایا۔ حالانکہ تصویر کشی کے قانون کی آفاقیت ہی کی بنیاد پر تمام مکاتب فکر کے علماء اور مفتیان عظام نے اسے مجبوراً حج کے لئے جائز قرار دیا ہے اس کے باوجود بھی حضرت رخصت چھوڑ کر عزیمت پر قائم رہے۔

یہ عمل جہاں حضرت کے تقویٰ اور عامل سنت ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے وہیں ان کے کمال ایمان پر بھی واضح دال ہے کہ حضرت کو پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصرف واختیار پر کس درجہ یقین کامل تھا۔

یہ اور اس قسم کی پابندیاں اور سنت پر شدت عمل صوم وصلوٰۃ وحج تک محدود نہ تھیں بلکہ حضرت کے ہر کام میں سنت کی پابندی کا اہتمام اتنا ہی ملے گا جتنا کہ ارکان اسلام کے لئے جیسا کہ حاجی محمد حسین صاحب فرماتے ہیں:

"میں نے اکثر غور کیا کہ حضرت اپنے ہر عمل میں سنت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اور اکثر وبیشتر مسنون طریقہ پر کام کرنے کے پابند تھے۔ ایک بار حضرت کے دائیں پاؤں میں زخم ہو گیا جس پر دوا لگائی تھی۔ ایک صاحب دوا لے کر پہونچے اور کہا حضرت دوا حاضر ہے۔ جاڑے کا زمانہ تھا۔ حضرت موزہ پہنے ہوئے تھے حضرت نے پہلے بائیں پاؤں کا موزہ اتارا وہ صاحب بول پڑے حضرت زخم تو داہنے

پاؤں میں ہے آپ نے فرمایا بائیں پاؤں کا پہلے اتارنا سنت ہے۔ وضو کرنے کے لئے بیٹھنا ہوتا تو قبلہ رخ بیٹھے۔ حضرت کا پائجامہ کبھی اتنا لمبا نہ دیکھا گیا کہ ٹخنہ چھپ جائے اور نہ ہی غیر ضروری طور پر اونچا کہ پنڈلی کھل جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کی وضع اور لباس کا انداز دیکھ کر شرعی وضع سمجھ میں آجاتی تھی۔"

(ایضاً ص۳۲۶)

مذکورہ بالا واقعات سے شاید کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے کہ حضور حافظ ملت کے یہ معمولات و عادات صرف گھر کے باہر کی زندگی تک محدود ہوں۔ جس سے ایک ظاہری صوفی" کا تصور تو سامنے آئے گا مگر حقیقی عامل سنت، محب رسول اور متقی کا پیکر نہیں ابھر سکتا۔ حالانکہ آج بھی حضور حافظ ملت کے وہ معاصرین وشاہدین جو حضرت کے بہت قریب، حاضر باش اور خانگی زندگی پر بھی نظر رکھنے والے تھے۔ اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت کا کوئی عمل سنت کے خلاف ہرگز صادر نہیں ہوتا، درسگاہ سے لے کر رہائش گاہ تک، گفتگو سے لیکر خاموشی تک اور سڑکوں سے لے کر جلسہ گاہ تک حضرت کا ہر ہر عمل اسوۂ رسول اور تقوی کا پیکر مجسم نظر آئے گا۔

آئیے اب باہر کی زندگی سے ہٹ کر حضور حافظ ملت کی زندگی کے اسی پہلو پر نظر دوڑائی جائے جسے عام بول چال میں ہم گھریلو اور معاشرتی زندگی کا نام دے سکتے ہیں۔ کہ ان کاموں میں بھی حضرت کے تقوی اور پیروئ سنت کا جذبہ کس حد تک بڑھا ہوا تھا۔ میں نے جامعہ اشرفیہ میں اپنے انگریزی کے استاد جناب ماسٹر آفتاب احمد صاحب سے سنا تھا کہ حضرت کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کہیں دعوت ہوتی تو حضرت اپنے گھر صاحب دعوت کی استطاعت پر نظر رکھتے ہوئے۔ کہ کس قسم کا کھانا تیار کرائے گا۔ اسی طرح کا کھانا بنوا کر دعوت میں تشریف لیجاتے ایک مرتبہ مبارکپور ہی کے کسی صاحب نے حضرت کو کھانے پر مدعو کیا اتفاق کی بات کہ انھوں نے اس روز اپنی عادت سے ہٹ کر کچھ زیادہ ہی تکلف برتا جب حضرت کے سامنے دسترخوان سجایا گیا تو حضرت کچھ پریشان سے نظر آنے لگے۔ پھر جلد ہی وہاں سے دولت کدہ پر واپس تشریف لائے اور پھر اسی قسم کا کھانا تیار کرانے کے بعد گھر کے افراد کو کھلایا تب جاکر کہیں حضرت کو سکون میسر ہوا"۔

اس واقعہ کو ایک طرف ذہن میں رکھئے اور دوسری طرف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک کو دیکھئے کہ فرمایا:

لایومن احد حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ

(بخاری ص۶)

تم میں کا کوئی اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اس دور میں آپ کو گھروں سے باہر صوفیت کی کلاہ افتخار بلند کرنے والے تو بہت مل جائیں گے۔ مگر گھر کے اندر کی زندگی میں سنت کا التزام اور وہ بھی ایک ایسی سنت جس کا درجہ شرعی طور پر زیادہ سے زیادہ استحباب کا ہو۔ شاید ہی کوئی برتنے والا ملے۔ حضور حافظ ملت کی زندگی کا یہ اہم پہلو رہتی دنیا تک لوگوں کے لئے نمونۂ عمل اور مشعل راہ ہے حضرت کی داخلی اور خارجی دونوں ہی زندگی میں یکسانیت التزام سنت اور پیروئ شرع مطہر بدرجہ اتم موجود تھیں۔

حضرت نہ صرف یہ کہ خود عامل سنت احکامات اسلامیہ کے پابند اور خوگر تھے بلکہ وہ مسلمانان عالم کو بھی اسلامی فکر و نظر لباس وعادات و اطوار میں اسلامی خوگر دیکھنا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ عوام الناس کی بے راہ روی اور ان کے خلاف سنت افعال و اعمال سے حضرت کا دل انتہائی

درجہ کرنا پتا اور حضرت کی روح اسلامی تڑاپ اٹھتی جیسا کہ ایک مرتبہ میرے برادر اکبر جناب ماسٹر ارشاد احمد نے اپنے قیام مبارکپور کے زمانے میں حضرت سے دریافت فرمایا کہ حضور! کلکتہ کے سفر میں آپ کو بنگال کیسا لگا؟ تو حضرت نے جواب دیا کہ: بنگال جاتے وقت طبیعت یہی چاہتی ہے کہ میں اپنے چہرہ پر خود نقاب ڈال لوں۔

ان قیمتی اور زریں کلمات میں جہاں حضرت کے پیروئ سنت کی روح بول رہی ہے وہیں بنگال کی عریانیت سے دردمند دل کا اضطراب بھی مترشح ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات وحالات سے حضرت کے تقویٰ پر بھی کچھ روشنی فراہم ہو چکی ہے مگر آئیے اب میں حضرت کی اس صفت کو آپ کے سامنے رکھوں جو آج کے مادی اور ترقی یافتہ دور میں تقریباً عنقا ہے اور وہ ہے اپنے مخالف کے ساتھ بھی حسن خلق اور عمدہ برتاؤ۔

مخالفت کے طوفان میں اچھے اچھوں کے پیر پھسل جاتے ہیں۔ اور مخالف کی حقیقی خوبیوں پر نظر رکھنا تو درکنار لوگ ہمیشہ شکایتوں اور شکووں کا موقع تلاش کرتے ہیں۔ مگر اس موڑ پر بھی آپ حضور حافظ ملت کو اخلاق کے اعلیٰ نمونہ پر فائز اور حسن خلق کا پیکر مجسم پائیں گے۔

۱۹۵۲ء میں جب مدرسہ اشرفیہ میں کسی چپقلش کی بنیاد پر حضرت علامہ عبد المصطفےٰ صاحب قبلہ اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان مبارکپور سے مستعفی ہو کر احمد آباد تشریف لے گئے اور کچھ چند ہی سالوں کے بعد دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد کے ناظم سے اختلاف کی بنیاد پر موصوف نے استعفیٰ دے دیا تو وہاں کے ناظم نے حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں یہ خط لکھا کہ

"اعظمی صاحب یہاں سے لڑ جھگڑ کر واپس چلے گئے ہیں۔ لہٰذا آپ اعظمی صاحب کا کوئی نعم البدل مدرس بھیج دیں"۔

ان کے جواب میں جو خط حضرت نے ناظم کے نام تحریر کیا وہ میرے مذکورہ دعویٰ کی مکمل تصدیق کرنے کے لئے کافی ہے۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ:

"مولانا اعظمی صاحب کا نعم البدل تو کیا ان کا بدل بھی ملنا انتہائی دشوار ہے وہ ایک کامیاب مدرس بھی ہیں اور شعلہ بیان مقرر بھی وہ مناظر بھی ہیں اور صاحب قلم بھی وہ چندہ وصول کرنے کے بھی ماہر ہیں اور مدارس کے انتظامی امور کے بھی تجربہ کار ہیں اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ ان سے صلح کر کے پھر انہیں احمد آباد بلا لیں۔ اور اگر اس سلسلہ میں میری خدمات کی ضرورت ہو تو میں اس کے لئے حاضر ہوں"۔

(حافظ ملت نمبر ص ۹۳)

اس پر حضرت اعظمی صاحب قبلہ نے جو مبارک اور تاثر ظاہر کیا ہے وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

"غور فرمائیے کہ حضرت حافظ ملت اور مجھ میں ان دنوں صفائی نہیں تھی بلکہ وہ مجھ سے رنجیدہ تھے اگر ان میں جذبہ انتقام ہوتا تو وہ حاجی سلیمان کی تحریر پر کچھ مزید شکایات لکھ کر نہلے پر دہلا لگا دیتے اور کسی کامیاب مدرس اور مقرر کو احمد آباد بھیجکر میری عزت وشہرت کا جنازہ نکال دیتے مگر عین اختلاف کی حالت میں انھوں نے میرے ساتھ جس شریفانہ برتاؤ کا مظاہرہ فرمایا کیا میرے سینہ میں دل نہیں پتھر ہے؟ جو میں اس شریفانہ سلوک سے متاثر نہیں ہوتا۔ دنیا مجھے کچھ بھی کہے مگر میں بانگ دہل کہتا ہوں کہ میں یقیناً

اس سے بے حد متاثر ہوا اور ہوں اور رہونگا اور ہمیشہ یہ کہتا رہونگا کہ حافظ ملت اس فلسفۂ تصوف کے زبردست فیلسوف تھے ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اسا
(ایضاً ص ۹۵)

حضور حافظ ملت کے اس حسن خلق کو ذہن میں رکھتے ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک:

ان اللہ رفیق و یحب الرفق
(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۱)

کا مطالعہ فرمایئے کہ کیا آج کے اس پُرفتن دور میں اسی قسم کی عظیم شخصیتیں مل جائیں گی؟ جہاں تک میرا خیال ہے کہ ایسی شخصیتوں کا وجود محال نہیں تو دشوار ترین ضرور ہے مذکورہ بالا واقعہ ایک مرتبہ کا نہیں کہ آپ اسے اتفاق پر محمول کر لیں۔ بلکہ اسی زمانہ میں اعظمی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان حج کے لئے تشریف لے گئے مگر جانے سے پہلے یا واپسی کے بعد حضور حافظ ملت سے انھوں نے ملاقات نہیں کی مگر جب حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان حج کے لئے تشریف لیجانے لگے تو بنفس نفیس اعظمی صاحب کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ اگرچہ موصوف سے ملاقات نہ ہو سکی مگر جب اعظمی صاحب کو معلوم ہوا تو اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جیسا کہ خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔

”تین ہفتہ کے بعد جب گھوسی آیا تو سب سے پہلے والد مرحوم نے یہ معاملہ سنایا۔ خدا شاہد ہے کہ اس واقعہ سے میرے قلب پر ایک گھونسا سا لگا کہ افسوس! میں چھوٹا ہو کر سفر حرمین شریفین کے موقعہ پر ان سے ملنے نہیں گیا اور وہ مجھ سے بڑے ہو کر مجھ سے ملنے آئے اور میں نے اسی وقت اپنے قلب و دماغ کو بالکل صاف کر کے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ جب حافظ ملت حج و زیارت سے تشریف لائیں گے تو میں مبارکباد دینے کے لئے ضرور مبارکپور جاؤں گا۔“

ذرا سوچئے تو یہ کسی اور کا نہیں حضرت کے ایک ہم عصر اور ہم عمر کا تاثر ہے۔ وہ بھی ایسے ہمعصر کا جنہیں حضرت سے کچھ دنوں تک ناراضگی رہی مگر حضرت کے حسن خلق نے ان کا دل جیت ہی لیا۔

بڑوں کی تعریف تو اکثر و بیشتر چھوٹے کرتے ہیں مگر کسی شخص کے بارے میں اس کے ہمعصر اور مخالفین جو گواہی دیں گے اسمیں تنقید و تجربہ کا پہلو بھی غالب ہوگا جیسا کہ استاذ محترم حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

”کسی بھی شخصیت کو اس کے معاصرین زیادہ پہچان سکتے ہیں اور ان لوگوں کا بیان زیادہ بہتر ہوگا جو علم و فن میں خود بلند رتبہ ہوں اور جنہیں اس شخصیت سے ملاقات اور اسے جانچنے پرکھنے کا موقع ملا ہو۔“
(امام احمد رضا اور تصوف ص ۱۳)

یہی وہ عظیم تر خوبیاں ہیں جو کسی انسان کو متقی اور پرہیزگار بننے میں ممد و معاون ثابت ہوئی ہیں مگر حسن خلق، پیروی سنت اور زندگی کے اندر یکسانیت نہ ہو تو پھر ان کا مفہوم ایک انسان پر مکمل صادق نہیں آسکتا حضور حافظ ملت نہ صرف یہ کہ ان خوبیوں کے مالک تھے بلکہ انہیں ان کا پیکر مجسم کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی ان کی تقویٰ شعار زندگی کا لوہا مانا ہے میں نے حضرت کے کئی مخالفین سے بھی سنا ہے کہ۔

”حافظ ملت سے ہمارے نظریاتی اختلافات تو ہو سکتے ہیں مگر ان کے تقدس تقویٰ پر انگلی اٹھانا مشکل ہے۔“

المفصل ما شہدت بہ الاعداء

حافظ ملت کا اخلاص عمل اور جہدِ مسلسل

الحاج عبد الحکیم صاحب بنارسی

اپنے مرشد برحق حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کے بارے میں میری کیا مجال کہ کچھ لکھ سکوں مگر چونکہ مجھے حضرت سے بے پناہ عقیدت اور محبت ہے بندا چند سطور میں اپنے احساسات قلم بند کر رہا ہوں۔

حافظ ملت کیا تھے۔ ان کے اخلاص و اخلاق کا کیا عالم تھا۔ خدمت دین کا کتنا والہانہ جذبہ رکھتے تھے جن لوگوں نے آپ کی زندگی کا مطالعہ قریب سے کیا ہے وہ تو خوب اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن آج جو شخص الجامعۃ الاشرفیہ کا معائنہ کرے گا وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ واقعی حضرت نے قلیل مدت میں دین کا کتنا عظیم کام کیا ہے اور کس قدر دینی جذبہ و خلوص رکھتے تھے۔

درس و تدریس خدمت خلق نیز الجامعۃ الاشرفیہ کے منصوبوں کی تکمیل کے لئے ملک کے گوشے گوشے اور دور دراز اور بعض مشکل ترین مقامات کا سفر بھی حضرت نے پورے جذبہ کے ساتھ فرماتے تھے اور جب دین کے لئے نکلتے تو ایک جوان کی طرح تاب و توانائی کے مالک ہوتے، یہی وہ بڑی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے قلیل مدت میں • بھی حضرت نے بہت بڑا اور ایسا کام انجام دیدیا کہ ایک مدت کے بعد بھی اس کا تصور مشکل نظر آتا ہے۔

آپ کی دوسری بڑی خصوصیت آپ کا عزم و استقلال اور جہد مسلسل ہے۔ آپ نے ہمیشہ نامساعد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور مشکلات و مصائب کے پہاڑ سے بھی ٹکرانے کو عزم اپنا شیوہ بنایا۔

آپ حضرت صدر الشریعہ علامہ حکیم امجد علی اعظمی رضوی مصنف بہار شریعت خلیفہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص اور خلیفہ تھے، اور آپ کے پکے پیرو کار ایک بار فرمایا:

"میں نے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے سب کچھ حاصل کیا یہاں تک کہ کھانا پینا اور چلنا بھی میں نے حضرت سے سیکھا۔

ایک بار ارشاد فرمایا: "میں بہت گرم چائے اس لئے پیتا ہوں کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت گرم چائے پیتے تھے۔

غور کیجئے کس قدر اتباع اور پیروی کا جذبہ ہے۔ حافظ ملت کے تلامذہ کی ایک لمبی قطار ہے جن میں علمی تبلیغی اور تدریسی صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ اسی لئے آج کل آپ کے تلامذہ بہت سے علمی، دینی اور اشاعتی نیز تصنیفی و تالیفی کام انجام دے رہے ہیں۔

حافظ ملت اگرچہ آج ہمارے

درمیان نہیں مگر ان کے فیضان کا دریا برابر رواں ہے۔

آپ کا روحانی فیض و تصرف ہی ہے کہ عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ صاحب (فرزند حافظ ملت) نے تھوڑی سی مدت میں اپنے کو بالکل حافظ ملت کے رنگ میں ڈھال لیا۔

حضرت عالم و بزرگ ہوتے ہوئے نہایت چست اور مجاہد بھی تھے۔ اس عمر والے شخص کو میں نے اس قدر چست اور تیز نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ مغلسرائے کے پاس شکور آباد ایک موضع ہے وہاں پر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ تھا۔ حضرت نے رات کو تقریر فرمائی اور جلسہ ختم ہونے پر فرمادیا کہ میں صبح پانچ بجے والی بس سے جاؤں گا لوگوں نے کہا عجلت کی وجہ سے حضرت کہہ رہے ہیں اتنے سویرے جانے کا کیا سوال؟ حضرت صبح اٹھے فجر کی نماز ادا فرمائی اور فوراً بس اسٹاپ کی طرف چل پڑے، کثیر لوگوں نے روکا مگر حضرت رکے نہیں اور فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ سویرے بس سے جانا ہے تاکہ تعلیم کا زیادہ نقصان نہ ہو۔ مجھے جاکر ابھی پڑھانا ہے۔ غرض حضرت تشریف لے گئے اور کوئی انھیں روک نہ سکا۔ قیام گاہ سے بس اسٹینڈ تقریباً تین میل تھا مگر حضرت نے پیدل ہی راستہ طے فرمایا اور رفتار اتنی تیز تھی کہ ہم تمام ساتھ چلنے والے حضرت کے ساتھ ساتھ چلنے میں دقت محسوس کرتے تھے۔ غرض حضرت جب اس ڈھائی تین میل کے راستے کو طے کرکے مین روڈ پر بس اسٹاپ کے پاس آئے تو کوئی بس نہیں۔ دیر تک انتظار کرنے کے بعد مغل سرائے سے ایک بس آئی جس میں بے پناہ رش تھا۔ ہم لوگ بس پر نہ چڑھ سکے مگر حضرت اس پر سوار تھے۔

(بقیہ ص ۹۱ کا)

علیہ الرحمہ کی خدمت میں زیادہ حاضری اور خصوصی توجہ حاصل کرنے کا موقع ملا، حضرت ان پر خاص کرم، توجہ، محبت اور شفقت فرماتے تھے"۔

عظمت حافظ ملت کو سلام

مبارکپور میں دور طالب علمی سر کرنے والا عالم و فاضل بنکر دنیا کے کسی گوشے میں کیوں نہ چلا جائے، اشرفیہ اور مبارکپور کی مٹی میں رب کائنات نے حافظ ملت کے فیض سے جو کشش اور پیار اتارا ہے، اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتا اشرفیہ سے علم و فن پانے والا حافظ ملت کا دلدادہ و شیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خود حافظ ملت اپنے طلبہ کو ایک مخلص باپ کی طرح پیار فرماتے تھے۔ حضرت مصلح اہلسنت بھی انہی وابستگان اشرفیہ میں سے تھے۔ مدینہ طیبہ کی سرزمین پر میری ان سے جو پہلی اور آخری ملاقات ہوئی اس میں ان کے باطن میں چھپا ہوا حضور حافظ ملت اشرفیہ اور مبارکپور سے تعلق چھپ نہ سکا بلکہ وہ محض اسی تعلق کی بنیاد پر راقم سطور پر بیحد کرم فرمایا۔

دستار بندی

مصلح اہلسنت نے ابتدائی پوری تعلیم مبارکپور میں مکمل کی۔ اور حافظ ملت کچھ روز کے لئے مبارکپور چھوڑ کر ناگپور تشریف لے گئے تو وہاں دورۂ حدیث پڑھ کر دستار فضیلت حاصل کی۔ انٹرویو میں ہے:

"اور یہیں سے فراغت حاصل کی۔ البتہ دستار بندی اس وقت وہاں نہ ہو سکی اس لئے کہ ۱۹۴۲ء میں گاندھی کا ستیہ گرہ شروع ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے مدارس بھی بند رہے۔ ٹرینیں بھی الٹ دی گئیں۔ لائنیں بھی اکھاڑ دی گئیں۔ آمد و رفت بہت دشوار ہو چکی تھی اتفاق سے میں اس سے کچھ پہلے ہی اپنے گھر چلا گیا تھا۔ تقریباً کئی مہینے یہ سلسلہ جاری رہا۔ والد محترم نے ہمیں پھر دوبارہ جانے نہیں دیا۔ اور کہا تم یہاں رہو۔ اسی عرصہ میں میری شادی ہوگئی

(بقیہ آئندہ)

حافظِ ملت

حکیم محمد یوسف عزیزی بستوی

کسی انسان کے بارے میں کوئی اچھی یا بری رائے قائم کرنے کے عموماً تین طریقے رائج ہیں۔

(۱) تحریر

(۲) تقریر

(۳) روزمرہ کے معمولات یہ تینوں طریقے ایسے ہیں جن میں انسان کی زندگی جھلکتی ہے۔

تحریر کا تعلق بظاہر ہاتھ اور قلم سے ہے لیکن یہ حقیقت میں انسان کے دل و دماغ کی ترجمان اور احساسات کا مرقع ہوتی ہے۔ اس لئے کسی انسان کی خوبیوں اور خرابیوں کا تعین اس کی تحریر سے کیا جا سکتا ہے لیکن اگر کوئی صاحب تحریر اپنے کو چھپانا یا اپنے کسی کمزور پہلو پر پردہ ڈالنا چاہے تو یہ کام بھی وہ شخص اپنی تحریر سے لے لیتا ہے اس کے علاوہ تحریر کا ایک تیسرا زاویہ یہ بھی ہے کہ قلم کار زہر ہلاہل کو قند بنا کر پیش کر دیتا ہے اور لاکھوں لوگ اسے پی کر موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں اور ان کو خبر تک نہیں ہوتی کہ زہر کب، کس کے ذریعہ اور کس راستے سے بدن میں داخل ہوا جو ہماری ہلاکت کا سبب بنا۔ لیکن کچھ ذی شعور ایسے بھی ہر زمانے میں ملتے ہیں جو پینے سے قبل ہی اس زہر پر آگاہی حاصل کر لیتے ہیں۔

تقریر کا حال بھی تحریر ہی جیسا ہے کہ آدمی کو اس کی باتوں کی روشنی میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے لیکن تحریر جیسا نقصان یا عیب تقریر میں بھی پایا جاتا ہے کہ آدمی اپنی بھولی بھالی باتوں میں پھنسا کر دوستی کے پردے میں بڑی سے بڑی دشمنی کر گذرتا ہے روزمرہ کی زندگی میں انسان تحریر و تقریر کی بہ نسبت بالکل بے حجاب دکھائی دیتا ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی انسان اپنی پوری زندگی پوشیدہ رکھ سکے یا تصنع اور بناوٹ کے پردے میں گزار سکے۔ اور اس کی زندگی کا کوئی خوشنما یا بدنما پہلو سامنے نہ آئے۔

جلالۃ العلم استاذ العلماء حضرت علامہ الشاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان ان نیک نفیس اور صاحب کردار ہستیوں میں سے ایک تھے جنھوں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنی زندگی کی راہ متعین فرمالی تھی۔ اور پوری زندگی اسی راہ پر چل پیرا رہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی زندگی کے چند چشم دید واقعات پیش خدمت ہیں جن سے کاتب سطور غیر معمولی طور پر متاثر ہوا، اور اس امید کے ساتھ انھیں قلمبند کیا ہے کہ قارئین بھی ان سے مستفید ہو سکیں گے۔

> **نماز کی برکتوں پر یقین محکم چھوٹوں پر پیار و محبت کی بارشیں و ذرہ نوازیاں قرآن پاک سے عشق**

بستی ضلع کے بیشتر مقامات ایسے تھے جہاں کے جلسوں کے منتظمین و اراکین حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شرکت ضروری سمجھتے تھے اور جلسوں کی تاریخیں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے ہی مانگتے تھے اگرچہ مقامی حالات کے پیش نظر کچھ اپنی طرف سے تذکرۃً لکھ دیا کرتے تھے مثلاً مہندوال کے سہ روزہ اجلاس کے لئے بدھ، جمعرات اور جمعہ کا دن بہتر ہوتا تھا اور جلسوں کے لئے چاندنی رات بھی مفید ہوتی ہے لیکن فیصلہ ہر حال میں حضرت پر چھوڑ دیا جاتا تھا حضرت بھی بستی ضلع کا خاص خیال فرماتے

تھے غرضیکہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے بغیر جلسے نہیں ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی امرڈوبھا، مہنداول بسڈیڈیہ وغیرہ کے جلسوں میں حضرت برابر شریک ہوتے تھے ایک بار حضرت امرڈوبھا کے جلسے میں تشریف لے گئے تھے۔ مہنداول کے چند مریدین و معتقدین نے مجھ سے کہا کہ حضرت کو مہنداول لے جانے کی کوشش کیجئے یہ بات خود میرے جذبۂ دل کی ترجمان تھی چنانچہ میں نے حضرت سے جاکر فوراً عرض کیا کہ حضور صبح تھوڑا وقت مہنداول کو عنایت فرمادیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا حکیم صاحب کل میرا بذریعہ بس لمبا سفر ہے اور بس کے سفر سے اب پریشان ہوتا ہوں اس کے علاوہ بس کے ٹکٹوں پر نمبر کچھ ایسا لکھتے ہیں جس کو وہی پڑھ سکتے ہیں اس لئے میں صبح ہی جانا چاہتا ہوں تاکہ وقت پر پہونچ سکوں۔ میں نے عرض کیا حضور میں ساتھ چلا چلوں گا۔ آپ صبح ایک گھنٹہ کا وقت مہنداول دیدیں حضرت راضی ہوگئے اور میں صبح کو بذریعہ رکشہ حضرت کو مہنداول لے گیا تقریباً ۱۱ بجے دن میں مہنداول سے گورکھپور کے لئے حضرت کے ساتھ چلا اور تقریباً ۱½ بجے گورکھپور پہونچا حضرت کو نچلول ضلع گورکھپور کے جلسہ میں جانا تھا اس لئے میں تیزی سے ٹکٹ کھڑکی کی جانب بڑھا دیکھا نچلول کے لئے ٹکٹ مل رہا ہے اور بھیڑ بھی نہیں تھی آسانی سے ٹکٹ مل گیا اور گاڑی کی تلاش میں گیا گاڑی بھی قریب ہی کھڑی تھی سیٹ پر رومال رکھ کر نیچے آیا تو دیکھا حضرت وضو کر چکے ہیں اور مصلیٰ بچھاتے ہوئے فرماتے ہیں حکیم صاحب ٹھیک ہے

میں نے قیاس کیا کہ حضرت سمت کے بارے میں دریافت فرمارہے ہیں میں نے عرض کیا جی حضور ٹھیک ہے لیکن متصلاً دوسرا جملہ بھی عرض کیا حضور گاڑی چھوٹ جائے گی حضرت نے نہایت سنجیدگی اور اطمینان سے فرمایا نہیں چھوٹے گی اور نماز ظہر کے لئے حضرت نے نیت باندھ لی۔ میں بھاگا گاڑی کے پاس آیا تو دیکھا کنڈکٹر پسنجروں کا شمار کرنے کے بعد اونچی آواز میں کہتا ہے ارے بھائی دو آدمی کہاں ہیں چونکہ میں گاڑی سے نیچے ہی تھا اس لئے دو آدمیوں کی کمی پڑ رہی تھی میں نے کنڈکٹر کی آواز سننے کے بعد بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اور خاموش رہا۔ کیونکہ کنڈکٹروں کے مزاج سے میں واقف تھا نماز کی عظمت اور حضرت کی ذات گرامی سے متعلق کوئی ایسا جملہ سننے کے لئے میں تیار نہیں تھا جس سے مجھ کو تکلیف پہونچے اس لئے میں نے چپ رہنا ہی بہتر سمجھا بلکہ دو چار قدم دور ہٹ گیا جیسے میں نے کچھ سنا ہی نہیں کنڈکٹر گاڑی سے نیچے آیا اور بکنگ آفس میں گیا۔ بکنگ کلرک نے ٹکٹوں کی گڈیوں سے ٹکٹ نمبروں کو ملایا اور حساب درست پایا پھر قبل اس کے کہ کنڈکٹر گاڑی میں آئے حضرت نماز پڑھ چکے ہم لوگ بس میں بیٹھ گئے کنڈکٹر آیا مسافروں کو شمار کیا اور گاڑی چالو ہوگئی سواریاں کم تھیں اس لئے آرام سے بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ حضرت بائیں جانب دو سٹ پر اور میں دائیں اسی کے مقابل جانب تین سیٹ والی جگہ پر بیٹھ گیا تھوڑی دور چلنے کے بعد حضرت

نے چابی دیتے ہوئے فرمایا۔ اٹیچی میں حلوہ رکھا ہے نکال کر کھالیں گاڑی چلتی رہی سفر لمبا تھا۔ نماز عصر کی ادائیگی کا مسئلہ تھا۔ چلتی گاڑی میں فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی لیکن جب وقت جارہا ہو تو حکم یہی ہے کہ جیسے ممکن ہو ادا کرلی جائے پھر بعد میں اعادہ کیا جائے اس لئے حضرت نے نماز عصر گاڑی کی سیٹ پر کھڑے ہوکر ادا فرمائی نماز کے لئے کھڑا ہوتا دیکھ کر میں پیچھے کھڑا ہوگیا کہ اگر گاڑی اچھال لے لیا تو سہارا دیدوں گا لیکن بفضلہ تعالیٰ ایسی نوبت نہیں آئی مغرب کے تھوڑی دیر بعد نچلول بس اسٹینڈ پر پہونچے خیال تھا کہ لوگ استقبال کیلئے موجود ہوں گے لیکن وہاں کوئی نہیں ملا ہم لوگ سیدھے مسجد میں گئے حضرت نے پہلے نماز عصر کا اعادہ کیا پھر نماز مغرب پڑھ کر نکلے۔ دیکھتے ہی نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت بلند ہونے لگا مدرسہ میں داخل ہوتے وقت داہنی جانب کمرہ میں حاجی امداد شاہ صاحب بیٹھے تھے میری نگاہ پڑ گئی اور انھوں نے بھی دیکھ لیا مجھے بلا لیا اور حضرت کو لے کر لوگ اندر چلے گئے حاجی صاحب نے مجھ کو پاکر اپنی تقریر شروع کردی اور میں ان کی تقریر سے لطف اندوز ہونے میں مصروف ہوگیا ادھر حضرت کے ناشتہ کے لئے مٹھائیاں نمکین چائے وغیرہ کا انتظام کردیا گیا اور حضرت خاموش بیٹھے ہیں کسی صاحب نے عرض کیا حضور بسم اللہ فرمائیں حضرت نے فرمایا حکیم صاحب۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر کسی نے کہا حضرت شروع فرمائیں حضرت نے فرمایا۔ حکیم صاحب۔

تیسری بار جب حضرت سے پانی پینے کی گزارش کی گئی تو حضرت نے فرمایا ایک حکیم صاحب میرے ساتھ آئے ہیں ان کو بلاؤ وہ کہاں ہیں اب ایک صاحب پکارتے ہوئے باہر نکلے "ارے بھائی کون حکیم صاحب حضرت کے ساتھ آئے ہیں حضرت ان کا انتظار کر رہے ہیں اور ابھی تک پانی نہیں پیا" میرے کانوں میں آواز آئی تھی کہ بھاگا کمرے سے باہر آیا انھوں نے فرمایا غضب کے آدمی ہو حضرت آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور ابھی تک پانی نہیں پیا ہے میں ان کے ساتھ گیا حضرت نے دیکھتے ہی نہایت محبت بھرے مشفقانہ انداز میں فرمایا بیٹھئے پاس ادب مانع تھا نہ چاہتے ہوئے بھی میں تعمیل حکم میں چارپائی پر پائنتی بیٹھ گیا۔ ناشتہ سے فراغت کے تھوڑی دیر بعد ایک صاحب کے داخل سلسلہ ہونے کی درخواست پر حضرت ان کے یہاں جانے لگے چند لوگ ہمراہ تھے میں بھی پیچھے پیچھے ساتھ ہولیا ابھی چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ حضرت نے پیچھے مڑ کر سرگوشیوں میں مجھ سے فرمایا حکیم صاحب آپ مت آؤ۔ میں خاموشی سے الگ ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا بیعت ہونے والے صاحب بہت غریب تھے حالانکہ بیعت ہونے کی گفتگو کے وقت جو میرے سامنے ہوئی تھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہوا تھا کہ وہ بہت غریب ہیں۔

اس پورے سفر میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ بس میں بیٹھے تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہے۔

بدمذہبوں سے نفرت

حضرت کے ایک معتقد سیٹھ عبد المجید صاحب خلیل آباد کے رہنے والے تھے ان کا آبائی وطن خلیل آباد کے قریبی دیہات موضع دھودہرہ میں تھا وہیں کے جلسہ میں حضرت تشریف لے گئے تھے۔ راقم الحروف نے اپنی عادت کے مطابق موضع دھودہرہ میں حضرت کی قیام گاہ سیٹھ عبد المجید صاحب کے مکان پر پہونچا مہنداول لے جانے کا ارادہ تھا۔ سلام و دست بوسی کے بعد پاؤں دابنے لگا۔ سیٹھ عبد المجید صاحب کمرہ میں داخل ہوئے اور عرض کیا حضور مرزا صاحب ملنے آئے ہیں مرزا صاحب دھودہرہ کے بڑے زمیندار اور بااثر آدمی تھے۔ سیٹھ صاحب نے مرزا صاحب کی خاطر ملنے کو کہا یا مرزا صاحب نے کہلوایا یہ تو معلوم نہیں ہو سکا۔ مرزا صاحب کمرہ میں داخل ہوئے اور جھکتے ہوئے ادب کیا حضرت نے بے معنیٰ لفظ اوں ہوں، ہوں فرمایا اور خاموش رہے تھوڑی دیر خاموشی رہی اور مرزا صاحب جو رافضی تھے (میں نے محسوس کیا) خفت محسوس کرتے ہوئے کمرہ سے باہر چلے گئے۔

ایفائے وعدہ

ایک بار حضرت بیماری کی حالت میں دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ ضلع بستی کے جلسہ میں تشریف لے گئے تھے صدر المدرسین حضرت مولانا اعجاز احمد خاں صاحب نے بخار کی شدت کی وجہ سے حضرت کی قیام گاہ پر ایک آدمی کا پہرہ لگا دیا تھا کہ کوئی مل نہ سکے اور حضرت کو آرام مل سکے۔ میں حسب عادت بسڈیلہ پہونچا تو معلوم ہوا حضرت کو تیز بخار ہے آرام کی سخت ضرورت کے پیش نظر کسی کو ملنے نہیں دیا جا رہا ہے میری بے چینی بڑھی اور حضرت کی قیام گاہ پہونچ گیا دروازہ کھولنا چاہا تو موجود پہرہ دار نے روکا میں نے اس کو ڈانٹ دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ سلام عرض کیا اور دست بوسی کے وقت حیرت میں پڑ گیا کہ حضرت کا ہاتھ تپ رہا تھا اور بخار ۱۰۲ ڈگری سے کم ہرگز نہیں تھا۔

غیر شرعی امور سے بیزاری

ایک بار حضرت دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی کے جلسہ میں تشریف لے گئے تھے۔ راقم الحروف حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک صاحب تشریف لائے اور عرض کیا حضور ایک بڑھیا مرید ہونا چاہتی ہے اتنا کہہ کر وہ چلے گئے ان کے جانے سے جو دروازہ تھوڑا کھلا پہلے سے دروازہ کے باہر دیوار کی آڑ میں بیٹھی بڑھیا نے جھانکا۔ حضرت سر جھکائے اپنی عادت کے مطابق بیٹھے تھے نہیں معلوم حضرت نے کیسے اس کی یہ حرکت دیکھ لی۔ اور نہایت پُر جلال لہجے میں ڈانٹا۔ کیا دیکھتی ہے بھاگ جاؤ بعد میں لوگوں کی سفارش پر حضرت نے اس بڑھیا کو مرید کیا۔

نکوکاروں کی حوصلہ افزائی

میرے چھوٹے بھائی مولانا محمد ادریس صاحب بستوی جو آجکل الجامعۃ الاشرفیہ کے نائب ناظم ہیں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ ان کا بہت خیال کرتے تھے اور دعائیں فرماتے تھے ایک بار بستی ضلع میں دیوبندیو

نے پالن حقانی نام کے ایک جاہل مقرر کے جلسوں کا طویل سلسلہ شروع کیا اور تسلسل کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر جلسوں کا پروگرام لگایا اس کام میں پورے ضلع بستی کی دیوبندی جماعت لگ گئی اس طرح پالن حقانی کے جلسوں کو تحریک کی شکل مل گئی دیہات سے سینکڑوں بیل گاڑیاں عورتوں کو لیکر جلسوں میں آنے لگیں اور اسی طرح کثیر مجمع اکٹھا کر کے سیدھے سادے مسلمانوں کو دام فریب میں پھنسایا جانے لگا بہنداول کے دیوبندیوں نے بھی ایک جلسہ کا پروگرام بنا کر اشتہار شائع کر دیا ہم لوگوں کو فکر ہوئی کہ کیا کیا جائے مولانا محمد ادریس صاحب نے مجھ سے کہا دیوبندیوں کے جلسہ کے مقابلہ میں جلسہ کیا جائے طے پایا کہ انھیں تاریخوں میں ہم لوگ بھی جلسہ کریں۔ منصوبہ تیار کر کے میں نے محلہ بارہ گوری و بہترین محلہ کے بوڑھے بزرگوں اور محلہ اتر پٹی کے چند نوجوانوں کو جمع کیا اور پروگرام پیش کیا بوڑھوں نے فساد کے خوف سے مخالفت کی لیکن نوجوانوں نے حمایت کی ہم لوگوں کے سامنے مالی مسائل درپیش تھے اور مجمع کا خوف دامنگیر تھا کہ اگر ہمارا جلسہ کامیاب نہ ہوا تو بڑی سبکی ہوگی وہ بھی ذاتی نہیں بلکہ جماعتی ہوگی۔ مذہبی، مخالفت کی وجہ سے چندہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس طرح ہم لوگ زبردست الجھنوں کے شکار تھے، اتر پٹی کے نوجوانوں کی کمیٹی میں کل پچھتر روپے کی تحویل تھی جوان لوگوں نے دیدی اور پوسٹر چھپنے کے لئے گورکھپور بھیجا گیا اب کیا تھا دیوبندی، بریلی تنازعہ پیدا ہو گیا۔ جس میدان میں دیوبندی جلسہ کرنے کا اعلان اشتہار میں کر چکے تھے وہ جگہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی تھی۔ ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس میدان کی منظوری دیوبندیوں نے باضابطہ نہیں لی ہے ایک مقدمہ میں مولانا محمد ادریس اور ہم سبھی برادران ماخوذ تھے۔ بستی گئے تھے لگے ہاتھوں ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین سے باضابطہ جلسہ کرنے کی منظوری حاصل کر لی اس کی خبر دوسرے دن دیوبندیوں کو ہوئی تو چراغ پا ہو گئے اور اس کو رد کرانے کی کوششیں کیں جو ناکام ہو گئیں یہ ہم لوگوں کی پہلی کامیابی تھی معاملہ اور طول پکڑ گیا۔ حتیٰ کہ انتظامیہ سے دیوبندی جماعت دونوں جلسوں پر پابندی لگانے کی کوشش کرنے لگی اور فساد کا بہانہ بنا کر پابندی لگانے کی درخواست دیدی۔ ایس، ڈی ایم صاحب نے دونوں فریقوں کو بلایا اور تھانہ بہنداول میں بات ہونے لگی۔ دیوبندی جماعت کے درجنوں لوگ تھانہ میں جمع تھے اور دوسری طرف میں اور میرے بڑے بھائی سیٹھ محمد امین صاحب تھے دیوبندیوں کی گفتگو سننے کے بعد ایس، ڈی، ایم مجھ سے مخاطب ہوئے میں نے کہا صاحب ان کو فساد کرنا ہے تو ان کو فساد نظر آ رہا ہے اور مجھ کو مذہبی جلسہ کرنا ہے اس لئے مذہب نظر آ رہا ہے طنز کرتے ہوئے میں نے کہا ان سے کہہ دیجئے دو چار پتھر ہمارے مجمع پر پھینک دیں گے میں دو چار لوگوں کی مرہم پٹی کراتے ہوئے مجمع پر کنٹرول رکھوں گا اور فساد نہیں ہوگا اتنا سننے کے بعد ایس، ڈی، ایم صاحب نے فیصلہ تحریر کرایا کہ بریلوی جماعت کا جلسہ منظوری کے مطابق ڈسٹرکٹ بورڈ کے میدان میں ہوگا اور دیوبندی جماعت کا جلسہ وہاں سے تقریباً ایک کلومیٹر مغرب میں پوکھرے پر ہوگا۔ اس درمیان آہستہ آہستہ دیوبندی جماعت کے لوگ تھانہ سے بھاگ گئے اور پولیس والوں کی غفلت کا فائدہ اٹھایا اب دستخط کرنے کی باری آئی تو میں موجود ہی تھا لیکن ایس ڈی ایم صاحب نے پہلے دیوبندی جماعت کے مختار احمد کا نام لیا جو گفتگو میں پیش پیش تھا معلوم ہوا کہ وہ چلا گیا ہے اب ایس ڈی ایم صاحب کے غصہ کی انتہا نہ رہی وہ پولس والوں پر برس پڑے ایک ساتھ کئی پولس والے بھاگے۔ اس کے گھر پہونچے جو تھانہ سے قریب ہی تھا۔ اپنی پولس والی چال استعمال کی تب وہ مکان سے باہر آیا پولیس والوں نے اس کے دروازے پر ہی اپنا کمال دکھایا اور لیکر تھانہ لائے وہ گڑگڑایا اور رویا تب اس کو دستخط کرا کر چھوڑا اور میں نے بعد میں دستخط کیا اور کامیاب وکامران بھائی محمد امین صاحب کے ساتھ تھانہ سے باہر آیا اپنی جماعت کے نوجوان جو خوف و ہراس کے عالم میں انتظار کر رہے تھے ہم دونوں بھائیوں کو تھانہ کے گیٹ سے نکلتے ہوئے مسرور دیکھ کر بغل گیر ہونے لگے۔

جلسہ کے لئے صرف حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اور مولانا مظفر حسین صاحب کچھوچھوی کو دعوت نامہ دیا گیا تھا۔ باقی کچھ اور علماء کے پاس اطلاعی خطوط بھیجے گئے تھے بقیہ اشتہار کا اعلان کافی کہا گیا تھا۔ دیوبندی، بریلوی

کے زبردست تناؤ نے سارا کام آسان کردیا اور ایسی شہرت ہوئی کہ تاریخ مقررہ پر قصبہ مہنداول کا سب سے بڑا میدان جس کا رقبہ تقریباً دس بیگہ تھا ناکافی معلوم ہونے لگا اور علماء کرام جوق در جوق آنا شروع ہوگئے۔ حتی کہ ڈائس علماء کرام کے لئے ناکافی ہوگیا علماء کرام کی تعداد ایک سو سے متجاوز تھی پولیس اور پی، اے۔ سی کا کیمپ دونوں دن لگا رہا کیونکہ ایس ڈی ایم صاحب دیوبندی جماعت کے عزائم سے خطرہ محسوس کرتے تھے۔

وقت نہ ملنے کی وجہ سے ہم لوگ چندہ نہیں کرسکے لیکن عوام کا جذبہ مسلسل کامیابیوں کی وجہ سے اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ لوگ خود لاکر ایک دوکان میں جمع کرجاتے تھے اس طرح اچھی خاصی رقم بغیر چندہ کے جمع ہوگئی جب کہ قصبہ کے تقریباً سبھی ذمہ دار جو اس سے پہلے اکثر اس طرح کے مذہبی کاموں میں دلچسپی لیتے تھے مخالف رہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو جب یہ روداد سنائی گئی تو انتہائی مسرور ہوئے اور مولانا محمد ادریس اور خادم کو خوب خوب دعائیں دیں اور جلسہ میں موقع کی مناسبت سے آیت کریمہ انا فتحنا لك فتحا مبینا پڑھ کر ایسی بصیرت افروز تقریر فرمائی کہ آج تک لوگوں کے دلوں میں اس تاریخی اجلاس کی یاد باقی ہے اس کے بعد سے مولانا محمد ادریس کی ایسی شہرت بڑھتی گئی کہ آج ملک کے صف اول کے مقررین میں ان کا شمار ہوتا ہے یہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی دعاؤں کی برکت ہے۔

الحمد للہ اس کے بعد سے مہنداول اور اس کے قرب و جوار کے دیوبندی مولانا محمد ادریس صاحب سے آنکھ ملانے کی جرأت نہیں کرتے۔

جماعتی اتحاد کی اہمیت

ایک بار موتی مسجد قصبہ مہنداول کے پیش امام حافظ گوہر علی صاحب نے فیض الاسلام مہنداول کے ایک طالب علم کو دو چار چپت مار دیا کیونکہ اس طالب علم سے اور ان کے لڑکے سے جھگڑا ہوگیا تھا۔ یہ معاملہ اتنا طول پکڑ گیا کہ اپنی جماعت دو خیموں میں تقسیم ہوگئی اور غالب اکثریت حافظ صاحب کی مخالف ہوگئی اور جھگڑا بڑھ کر امامت تک پہونچ گیا لوگوں نے حافظ جی کی اقتدا میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا مصالحت کی ساری کوششیں ناکام ہوگئیں بالآخر ایک پنچایت میں طے پایا کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ یا حضرت مولانا سید شاہ عبد الحق صاحب اعظمی علیہ الرحمہ جو اس پورے محلے کے پیر تھے جہاں جھگڑا تھا انھیں دونوں بزرگوں میں سے کوئی یہ مسئلہ حل کرسکتا ہے راقم الحروف اور منظہر علی صاحب دو آدمی ان دونوں بزرگوں میں سے کسی کو لانے کے لئے بھیجے گئے میں نے بہتر سمجھا کہ پہلے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا جائے کیونکہ فریقین ان کے مرید تھے اعظم گڑھ پہونچنے پر معلوم ہوا سید صاحب موجود نہیں ہیں۔ وہاں سے مبارکپور حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے نماز عصر کے بعد حضرت کی قیام گاہ پرانے مدرسہ پہونچے جہاں سلام و دست بوسی کے بعد حضرت سے واقعہ بیان کرکے مہنداول چلنے کی گذارش کی وہ حضرت کی بیماری کا آخری زمانہ تھا مسلسل کھانسی آرہی تھی۔ حضرت نے فرمایا میں بیمار ہوں اور مجھے کل کلکتہ یا جمشید پور (اب مجھے یاد نہیں رہا) جانا ہے کیونکہ ایک صاحب نے مکان بنوایا ہے اور میرے ذریعہ افتتاح چاہتے ہیں میں نے عرض کیا حضرت ایسی حالت میں آپ کا سفر کرنا مناسب نہیں ہے حضرت نے فرمایا حکیم صاحب وعدہ کرلیا ہے لہذا جاؤں گا مجھ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا اکیلے نہیں جاؤں گا مولانا عبد الحفیظ صاحب کو ساتھ لیجاؤں گا مہنداول کے جماعتی انتشار کو دور کرنے کے لئے حضرت نے حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اور حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب کو بھیجا ان دونوں بزرگوں نے مہنداول جاکر اپنی طاقت سے زیادہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حوالے سے گفتگو کرکے معاملہ ختم کیا اور مصالحت کرائی۔

یہ مختصر اور بے ترتیب چشم دید واقعات بظاہر بہت معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن بغور دیکھا جائے تو انسانی نکتۂ نظر سے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کمال انسانیت کے نادر نمونہ تھے اور مذہبی نکتۂ نظر سے فرائض، واجبات، سنن و مستحبات کی ادائیگی سے آپ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی غافل نہیں ملتا سخت آزمائش اور مشکلات میں حضرت نے قرآن کریم اور احادیث کریمہ کی تعلیمات کو سامنے رکھا اور اس پر ایسا عمل کیا ہے کہ کہیں بھی ذرہ برابر انحراف نہیں پایا جاتا گویا آپ ایک اللہ کے ولی اور نائب رسول کا پیکر کامل تھے۔

واقعہ نمبر ۱: ریل گاڑی چھوٹ جانے کی شدید خطرہ کے پیش نظر بلکہ میرے غالب گمان کے اظہار کے بعد بھی ایمان و یقین کی زبان میں حضرت کا فرمانا کہ نہیں چھوٹے گی فضل ربانی اور عون الٰہی پر اعتماد کامل کی دلیل ہے جو خاصان خدا کا ہی حصہ بلند ہے اور ایسی حالت میں اطمینان وسکون کے ساتھ نماز ظہر ادا کرنا اور پھر نماز عصر کے وقت گاڑی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔ بس کا سفر کرنے والے گاڑی کی بے اعتدالی کا حال خوب جانتے ہیں کیا حضرت کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس پیرانہ سالی میں گاڑی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں ضرب شدید کا خطرہ ہے مگر واہ رے جذبۂ نماز۔ پورے سفر میں خود تو حضرت نے کچھ نہیں کھایا پیا مگر اپنے ادنیٰ غلام پر لطف وکرم کی بارش فرماتے رہے اور منزل پر پہونچ کر بھی باوجود بس کا دشوار وطویل سفر کرنے کے اس وقت چائے کا ایک گھونٹ بھی نوش نہ فرمایا جب تک کہ مجھے تلاش کرا کر بلوا نہیں لیا جب کہ حضرت کو مجھ سے زیادہ ضرورت تھی اگر نہیں بھی رہی ہو تو میں غلام اور وہ میرے مخدوم ان کے لئے میرا انتظار کیا معنی۔ اتنا کافی تھا کہ کہدیتے حکیم محمد یوسف کو بھی چائے پلادو۔ کیا آج بھی ایسی مثالیں مل سکتی ہیں؟

واقعہ نمبر ۲: الحب للہ والبغض للہ کی تفسیر ہے اور وہ بھی ایسے موقع پر کہ ایک سیٹھ اور معتقد کے یہاں قیام ہو اور سیٹھ کا انداز کلام بتاتا ہو کہ حضرت آنے والے کی توقیر کریں یا آنے والے کی حیثیت کا احساس دلانا تو مقصود تھا ہی ایک طرف سیٹھ کی دولت اور عقیدت کہتی ہے توقیر کرو دوسری طرف ایمان کا تقاضا اس کے خلاف ہے عام ذہن سوچ سکتا ہے کہ بند کمرے میں ایک دولتمند عقیدت مند کا پاس رکھ لیتے تو کون جانتا کہ حضرت نے کبھی ایسا بھی کیا ہوگا مگر واہ رے جذبۂ ایمانی کہ خلوت وجلوت سب یکساں ہے وہی کیا جو ان کے ایمان واعتقاد کا تقاضا تھا۔

واقعہ نمبر ۳: کو ساری دنیا عذر معقول مانتی ہے اور اب تو معمولی سردی زکام میں بھی خطباء ومقررین جلسوں کو چھوڑ دیتے ہیں بلکہ بعض حالات میں خواہ مخواہ عذر پیش کر دیتے ہیں۔ یہ صرف جلسوں کے لئے ہی نہیں عام آدمی کے معمولات زندگی میں بھی داخل ہو گیا ہے کہ کیا بتائیں بھائی یہ وجہ تھی نہیں پہونچ سکے وغیرہ وغیرہ مگر واہ رے پاس شریعت کہ شدید بیماری میں بھی وعدہ کی پابندی کی اور سخت مشکلات جھیلتے ہوئے وقت پر پہونچ گئے۔

واقعہ نمبر ۴: آج کے بعض پیر تو مریدات سے خدمت تک لیتے ہیں ایسے ساقط الاعتبار لوگوں کو حضرت سے کیا نسبت؟ ایسے ہوس پرستوں کو پیر ماننا ہی فضول ہے۔ حضرت کا کمال تقویٰ ملاحظہ ہو کہ غیر محرم کو دیکھنے کی غلطی تو بڑھیا نے کی تھی مگر واہ رے خشیت الٰہی کہ حضرت کی ناراضگی سے میں تھرا گیا تھا۔

واقعہ نمبر ۵: دین کی خدمت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کا صرف ایک نمونہ ہے ایسے ہزاروں واقعات ملیں گے جن سے معلوم ہوگا کہ حضرت نے دین کا ادنیٰ کام کرنے والے کی ایسی ہمت افزائی فرمائی جیسے اس نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی یہ عادت کریمہ تھی کہ دین کا کام کرنے والے کی حوصلہ افزائی فرماتے تعریف کرتے اور دعائیں دیتے نکتہ یہ تھا کہ حوصلہ افزائی سے آدمی میں کام کا جذبہ ابھرتا ہے اس طرح دین کا کام کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور نتیجۂ دین کی تبلیغ واشاعت ہوگی دوسرا پہلو یہ ہے کہ آدمی پر دینی رنگ غالب ہوگا اور اسکی اپنی خامیاں اور برائیاں بھی آہستہ آہستہ ختم ہوں گی اس طرح وہ شخص نیک وصالح بن جائے گا۔

الحاصل حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی کے لئے وقف تھی۔ حب الٰہی، محبت رسول اور اتباع رسول کا عملی نمونہ تھی۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی تفسیر تھی۔

وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی بیاسی سالہ حیات طیبہ اور محیر العقول کارنامے اس مسلمہ حقیقت پر شاہد عدل ہیں کہ آپ اپنے پروردگار کی عظیم نشانی، اپنے نبی کے عظیم معجزہ اپنے بزرگوں کی عظیم کرامت اور ملت اسلامیہ کے عظیم غمخوار تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت پر آپ کے جد کریم ملا بشیر احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بشارت دی تھی کہ:

"اس بچہ کا نام میں نے
عبدالعزیز رکھا ہے
اسی نام کے دہلی میں
ایک بہت بڑے عالم
گزرے ہیں میرا یہ بچہ
عالم دین ہوگا۔"

(حافظ ملت نمبر ص۲۳۷)

آپ غریب مگر معزز دیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے اور دینی ماحول میں پرورش پاکر حفظ قرآن پر منزل فضل و کمال کی بنیاد رکھی۔ تکمیل حفظ کے بعد گھریلو ذمہ داریاں آپ کے ناتواں کاندھوں پر آگئیں جنھیں بحسن و خوبی انجام دیتے رہے بالآخر ایک دن اپنی والدۂ کریمہ کے حضور عرض کرتے ہیں:

"اماں آپ تو کہا کرتی
تھیں کہ تیرے دادا نے
کہا ہے کہ تو عالم دین
بنے گا۔ لیکن میں تو نہیں
بنا۔" (حافظ ملت نمبر ص۲۳۸)

یقیناً اس پُر سوز جملے کو سنکر ماں کا ممتا بھرا کلیجہ تڑپ گیا ہوگا۔ اور ہاتھ دعا کے لئے بارگاہ ایزدی میں اٹھ گئے ہوں گے۔ آنکھیں وقت مناجات بھیگ گئی ہونگی۔ جبھی تو پاک بے نیاز خدائے وحدہٗ قدوس نے بے پایاں فضل و کرم فرمایا۔ مجبوریوں کی زنجیریں کٹیں۔ مفلوک الحال کی بیڑیاں ٹوٹ گئیں۔ جد کریم کی بشارت شرمندۂ تعبیر ہوئی۔ حضور صدرالشریعہ کے نگارخانۂ تربیت سے حسین شاہکار بن کر نکلے اور قوم و ملت کی زمام قیادت سنبھال لی۔ وقت کا کارواں سبک رفتاری سے چلتا رہا آپ کی غیر معمولی قوت ارادی، استقامت و پامردی، خود اعتمادی و خدا اعتمادی کو قوم نے دیکھا۔ دینی و ملی، علمی و اصلاحی خدمات کو تسلیم کیا اور ضمیر کی آواز نے حافظ ملت کا خطاب دیا۔

آپ کا دردمند دل اور حساس ضمیر قوم و ملت کی فلاح و بہبود کے لئے دھڑکتا۔ جہاں باقی کی اعلیٰ صلاحیتیں گزرتے ہوئے اوقات کو عمل کی گرفت میں لینے کے لئے بے چین رہتیں۔ مبارک مسود افکار و نظریات عملی جامہ پہننے کے لئے تڑپتیں۔ آخرش وہ حسین لمحات آہی گئے جن کا معمار قوم و ملت۔ مجاہد پیکر عظیم قائد نے پیغام دیا:

"مسجد بنانا ثواب،
سرائے بنانا ثواب،
یتیم خانہ بنانا ثواب
مگر مدرسہ سب کے بنیادی
حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ
اگر علماء نہ پیدا ہوں گے
تو ان سب کو کون آباد
کریگا۔ کون حفاظت کریگا
میں نے مدرسہ کو بہت
سوچ سمجھ کر اختیار
کیا ہے۔" (حافظ ملت نمبر ص۲۳۵)

مایوسیوں کی اندھیری رات میں صبح امید طلوع ہوئی۔ علم و دانش کے انوار سے انسانی قلوب و اذہان منور ہونے لگے۔ صالح افراد شعور و آگہی علم و دانائی کا ہلالی پرچم لہرانے لگے۔

اسلامیان ہند نے نالہ و شیون کی داستان بند کر کے دین کے محافظ، ملت کے غمخوار قوم کے قائد کے پیغام پر لبیک کہا اور اپنے ایثار و قربانی، کردار و عمل سے بھرپور تعاون کا اعلان کیا۔ باغ فردوس الجامعۃ الاشرفیہ عربک یونیورسٹی کا قیام عمل میں آگیا۔ علماء و مشائخ اور دانشوران قوم و ملت نے عصری تقاضوں کی تکمیل کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا۔ حافظ ملت نے اپنے جگر کے ہو سے اس گلشن علوم و فنون کو سینچا۔ اور اسلامیان ہند کی جدید نسل کی تعمیر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فرمائی۔ ملت کے صالح و سعید فرزندوں نے آپ کی علمی و علمی اور روحانی فیض بخشیوں سے اکتساب فیض کیا اور اپنی عطر بیزیوں سے ہند و بیرون ہند پاکستان، برطانیہ، افریقہ، بنگلہ دیش کو مہکا دیا۔

حضور حافظ ملت اس دینی قلعہ کو مضبوط سے مضبوط تر دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کی یہ آرزو جنون کی سرحد پر کمند انداز ہو چکی تھی۔ آپ کا اضطراب اس حسین خواب کی تعبیر بہت جلد پیش کرنے کے لئے مضطرب تھا۔ خدام عرض کرتے حضور والا کی بے چینی دیکھی نہیں جاتی۔ مالک حقیقی آپ کی بے لوث مساعی جمیلہ کو رائیگاں نہیں فرمائے گا۔ تو آپ کا کرب الفاظ کے جامہ میں یوں گہربار ہوتا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ایسے شخص کے بارے میں جو اپنے گرد کاموں کا انبار دیکھ رہا ہے۔ اور یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ سورج بس غروب ہی ہونے والا ہے کیا وہ کاموں کی کثرت اور وقت کی قلت دیکھ کر مضطرب نہ ہوگا۔ اور کیا اس کا اضطراب بجا نہ کہلائے گا"۔

(حافظ ملت نمبر ص۳۲۲)

آپ کے یہ درد انگیز فقرے سوز دروں کا پتہ دے رہے ہیں۔ شوق جستجو کو منزل مقصود ہی پر قرار ملے گا۔ مصائب کی دھوپ حالات کی ناساعدت سے فرحاد صفت تقدس مآب شخصیت کے بلند حوصلے پست نہ ہونگے۔ بلکہ زمانہ استقامت کے بطل جلیل کا ہمنوا بن جائے گا۔

تیری نگاہ مصائب کی دھوپ میں تپ کر
خود اپنے رنگ میں دنیا کو ڈھال سکتی ہے
کچھ اور دیر بھڑک جائے گر یہ پیاس تری
پہاڑ کاٹ کے چشمے نکال سکتی ہے

مارچ ۱۹۷۶ء کی اٹھائیس، انتیس تاریخ میں مدرسہ شرفیہ عماد پور رفیع گنج تشریف لے گئے اور اپنے چہیتے شاگرد مولانا سید رکن الدین اصدق مصباحی سے فرمایا:

"سید صاحب! روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں مل سکتی جہاں آدمی کے مزاج و طبیعت کے خلاف باتیں نہ ہوں کیا مبارکپور میں میری مرضی کے خلاف باتیں نہیں ہوتیں۔ مگر دین کے خادموں کو صبر و ضبط سے کام لینا چاہئے"۔

(حافظ ملت نمبر ص۲۹۸)

کیا دلنشیں، عبرت خیز، نصیحت آموز انداز تخاطب ہے کہ تھکے، ماندے راہی کو منزل تک پہونچنے کا نیا حوصلہ مل جائے۔ اور بربط ذہن و فکر پر صبر و تحمل کا ساز چھڑ جائے۔ کبھی یوں فرماتے:

"اگر آدمی کے اندر دو چیزیں پیدا ہو جائیں تو انسان کیا قدموں کے نیچے کی کنکریاں اس کا احترام کریں۔ ایک اخلاق اور دوسرا استقلال"۔

(حافظ ملت نمبر ص۲۹۷)

آقائے نعمت حضور سیدی حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی نوک قلم کا یہ اقتباس اس باب میں بڑی اہمیت و افادیت کا حامل ہے۔ جو آپکی تصنیف انیق معارف حدیث میں مرقوم ہے۔

"مومن کے جوہر اخلاق سے یہ بھی ہے کہ دوسروں کو ذلیل و حقیر نہ سمجھے، اپنی برتری اور تفوق کا خواب نہ دیکھے لہذا جو اپنے لئے پسند کرے دوسرے مسلمانوں کیلئے بھی پسند کرے۔ یعنی جیسے اپنی عزت پسند کرے دوسروں کی عزت بھی پسند کرے یہی مسلمانوں کی شان ہے"۔

(معارف حدیث ص۸۵ بحوالہ حافظ ملت نمبر ص۳۳)

بلاشبہ آپ اس تحریر دلنواز کی منہ بولتی تصویر تھے۔ حضرت مولینا رحمانی میاں صاحب (نبیرہ حضور مفتی اعظم ہند) بیان کرتے ہیں۔

"ایک جلسہ کے اسٹیج پر حضرت نے زبردستی مجھے اپنی مسند پر بٹھا دیا۔ میں لجاتا بیٹھا رہا۔ حضرت نگاہ نیچی کئے حسب معمول تشریف فرما تھے۔ میں آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا دور چلا گیا۔ تاکہ حضرت دیکھ نہ لیں۔ کچھ دیر بعد حضرت نے خیال فرمایا تو اسٹیج پر نظریں دوڑا کر مجھے تلاش کرنے لگے اور تھوڑی دیر بعد پھر ہاتھ پکڑ کر مجھے اسی مسند پر بٹھا دیا"۔

(حافظ ملت نمبر ص۳۳)

استاذنا المکرم محدث کبیر جانشین حضور صدرالشریعہ مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک بار آپ مدرسے واپس تشریف لا رہے تھے کہ جائے قیام کے قریب ایک صاحب پہلے ہی سے منتظر ملے اور انھوں نے اپنی ضرورت پیش کر دی حضرت نے ان سے ٹھہرنے کو کہا اور اندر پہلا ہی قدم رکھا تھا کہ بایاں پیر جو باہر تھا کسی کتے نے دانت جما دیے اور وہ ضرورت مند انسان عالم حیرت میں تماشہ ہی دیکھتے رہے کہ حضرت نے خود ہی کتے کا جبڑا پکڑ کر الگ کیا۔ پھر سب سے پہلے ان صاحب کی ضرورت پوری فرمائی اس کے بعد زخم کی تدبیر کی طرف متوجہ ہوئے"۔

(حافظ ملت نمبر ص۱۵۹)

حضرت علامہ بدرالقادری صاحب قبلہ رقم طراز ہیں:

"سیوان کانفرنس میں شرکت کے لئے پہونچے رات کا تہائی حصہ گزر چکا تھا۔ قیام گاہ علماء میں لوگ سو رہے تھے سردی کا زمانہ تھا۔ آپ لوگوں کے پائیتی اپنا بستر بچھا کر لیٹ رہے"۔

(حافظ ملت نمبر ص۳۲)

حضرت موصوف قبلہ گاہی لکھتے ہیں۔

"ایک بار نوادہ میں ایک میلاد شریف کیلئے دعوت قبول کر لی، اس سے پہلے دن کہیں باہر جلسے میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی، ٹرین اور پلیٹ فارم پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ حضرت نے جب دیکھا کہ ٹرین میں جگہ ملتی نظر نہیں آتی تو اپنا بستر اور ناشتہ دان کھڑکی کی سلاخوں میں رومال سے باندھ دیا۔ اور خود کسی طرح ڈبہ میں گھس پڑے، مئو تک کا سفر کھڑے کھڑے کٹا۔ رات کو تقریباً ساڑھے نو بجے سیٹھاؤں اسٹیشن پر اترے تو سواری ندارد۔ بستر اور سامان لئے ہوئے پیدل ہی مبارکپور چل پڑے اور سوا دس بجے تک اندھیری رات میں گھر پہونچے اور طلبہ کے ساتھ لالٹین کی روشنی میں فوراً نوادہ پہونچے میلاد شریف کا پروگرام ہو رہا تھا۔ آپ سیدھے اسٹیج پر پہونچے اور شاندار تقریر فرمائی باوجودیکہ صبح سے اس وقت تک کچھ نہ کھایا تھا۔ چوں کہ ناشتے سے پہلے چل پڑے تھے۔ دوپہر کا کھانا ٹرین کے رش نے لے لیا۔ اور نوادہ ایسے وقت پہونچے کہ لوگوں نے سمجھا کہ کھا ہی کر آئے ہوں گے۔ مگر دوران تقریر میں بھوک کی شدت کا کوئی شائبہ نہیں تھا"۔

(حافظ ملت نمبر ص۲۷)

عزت مآب عاصم گونڈوی صاحب ایڈیٹر تاجور گورکھپور فرماتے ہیں کہ:

"ایک دفعہ میں دارالعلوم اشرفیہ پہونچا حضرت سے ملاقات ہوئی اس وقت

ایک میزبان کی حیثیت سے جس خندہ پیشانی، جس خلوص و محبت، اور جس شفقت و عنایت کا مظاہرہ فرمایا۔ اس کے بیان سے قاصر ہوں۔ مجھے وہاں سے مہراج گنج ضلع گیا جانا تھا دوسرے دن صبح میں قاری عبدالحکیم صاحب کے کمرے میں تھا کہ حافظ ملت اپنے ہاتھ میں بنڈل لئے ہوئے تشریف لائے اور میری خاطر بڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ لیجئے راستہ کا توشہ ہے۔

یہی حسن سلوک ان کا ہر ایک کے ساتھ تھا"
(حافظ ملت نمبر ص ۲۱)

یقیناً حضور حافظ ملت اخلاق کے پیکر، کرم کے دریا، اور شفقت و عنایات کے سمندر تھے۔ طالبان علوم نبویہ آغوش تربیت میں پہونچ کر والدین کا پیار بھول جاتے، ہمسایہ پڑوسی سایہ سرپرستی کی ٹھنڈک میں زخم یتیمی کا درد بھول جاتے۔ آپ کے برادر گرامی حضرت مولانا عبدالغفور صاحب قبلہ فرماتے ہیں۔

" محلہ والے اور پڑوسیوں سے وہ سلوک فرماتے جو دوسرے مسلمان گھر والوں کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ ہر کسی کی ضرورت کا تکلیف کا پورا خیال رکھتے، بے مثال ہمدردی سے پیش آتے، ساری ضرورتیں پوری کرتے"
(حافظ ملت نمبر ص ۲۳۵)

الغرض قدرت نے آپ کو علم و فضل، ذہانت و فطانت، تدبر و دانشمندی، عزم و استقلال کے علاوہ شفقت و محبت، حلم و مروت جود و سخا، اور حسن سلوک کا وافر حصہ عطا فرمایا۔

غرباء و مساکین کی حاجت روائی، پریشان حالوں کی دلجوئی بیماروں کی عیادت و حال پرسی آپ کی اخلاقی خصوصیات ہیں۔

علاوہ ازیں آپ کے حسن و تدبر و مثال اندیشی نے "تعمیر" کو اپنا نصب العین بنایا۔ خواہ وہ عمارتوں کی تعمیر ہو یا افراد کی۔ چنانچہ عمارتی تعمیری سلسلہ۔ دار العلوم اہلسنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کی شاندار دو منزلہ عمارت، پرشکوہ و باوقار مسجد راجہ شاہ مبارک اور الجامعۃ الاشرفیہ کی فلک نما عمارت عالم اسلام کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔

چالیس سال تک بزم علم و دانش میں علوم و فنون کے گوہر آبدار لٹاتے رہے۔ ہند و بیرون ہند کے تشنگان علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے۔ اور اس دار فانی سے عالم جاودانی کا رخت سفر باندھتے ہوئے ایک ایسا عظیم طاقتور دستہ تیار کر دیا جو ہر محاذ پر باطل افکار و نظریات اور نت نئی فتنہ سامانیوں کی بیخ کنی کے لئے اپنے دست و بازو آزما سکتا ہے۔

حضور حافظ ملت کی یہ ساری قربانیاں حصول داد و تحسین کے لئے نہ تھیں۔ بلکہ صرف اور صرف رضائے الٰہی اور رضائے رسول کے لئے تھیں۔ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

" میری سب سے بڑی تمنا رضائے الٰہی اور رضائے رسول ہے۔ نماز میں درود شریف کے بعد پڑھنے کی مجھے بڑی بڑی دعائیں یاد ہیں۔ لیکن میں یہ مختصر دعا پڑھتا ہوں۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار۔ حسنہ کے بہت معنیٰ ہیں۔ میں حسنہ سے رضائے الٰہی اور رضائے رسول مراد لیتا ہوں۔

میرے نزدیک رضائے الٰہی و رضائے رسول کے سامنے جنت ہیچ ہے۔
(حجاز جدید مارچ ۹۰ء ص ۹۸)

ایسے پیکر خلوص و وفا جن کے نقوش قدم دعوت فکر و عمل دے رہے ہیں۔ اگر آپ ان معروضات بالا کو مستحضر فی الذہن کر لیں اور دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھیں کہ وہ تقدس مآب شخصیت کون تھے۔؟ تو دلوں کی دھڑکنیں زبان حال سے شہادت دیں گی۔

وہ ملت کے غمخوار حافظ ہیں۔ جن کی فیض بخشیوں سے ایک جہان مستفیض ہو رہا ہے

حافظ ملت
ایک انقلاب آفریں شخصیت

از: شمشاد احمد اعظمی
متعلم الجامعۃ الاشرفیہ

تاریخ اولوالعزم عالی حوصلہ بلند فکر انسانوں کے کارناموں سے ہے مگر ضروری نہیں کہ یہ کارنامے تاریخ میں دیرپا کبھی ثابت ہوں جبکہ علم و فن کی دنیا میں جلیل القدر اہل فن کے کارنامے سدا بہار ہوتے ہیں۔ اور آنے والی نسلیں و تہذیبیں ان سے بے بہا فائدہ اٹھاتی ہیں انھیں اوصاف و کمالات کا ایک انسانی پیکر ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں قصبہ بھوجپور ضلع مرادآباد میں پیدا ہوا۔ زہد و ورع۔ تقویٰ و طہارت۔ توکل واستغنا، شرم وحیا۔ تواضع وانکساری صبر وتحمل۔ اتباع شریعت، ایفاء عہد، سادگی وکفایت شعاری، شاگرد نوازی اور ایثار و قربانی، میں جہاں آپ کی انفرادیت نے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی شاگردی کا حق ادا کیا وہیں تفسیر۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ حدیث۔ اصول حدیث۔منطق و فلسفہ۔ عقائد وکلام۔ ادب ومعانی بیان وبدیع۔ بلاغت۔ نحو۔ صرف۔ عروض، قوافی۔ تصوف واحسان تاریخ وسیر میں آپ کی بے پایاں مہارت و قدرت نے شیخ عبد العزیز محدث دہلوی کے نام نامی اسم گرامی پر آپ کا نام عبدالعزیز رکھے جانے کے بنیادی مقصد کو بھی پورا کردیا۔ بلاشبہ آپ کے علمی فکری انسانی خدمات کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں چودھویں صدی ہجری نے جن عبقری شخصیتوں کو جنم دیا ہے۔ ان میں ایک روشن نام حضور حافظ ملت کا بھی ہے۔ ۱۳۵۲ھ ہجری مطابق ۱۹۳۴ء کی بات ہے جب صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حافظ ملت علیہ الرحمۃ کو بریلی شریف بلاکر فرمایا کہ وہ اپنے ضلع سے مستقل باہر رہنے کی وجہ سے وہاں بدمذہبیت اور گمراہیت کا تسلط ہوتا جارہا ہے اس لئے بدعقیدگی اور گمراہی کے استیصال کے لئے آپ کو مبارکپور بھیجنا چاہتا ہوں تو آپ نے عرض کیا، حضور میں ملازمت نہیں کروں گا۔ فرمایا۔ میں نے ملازمت کے لئے کب کہا ہے میں تو دینی خدمات اور اشاعت حق کیلئے کہہ رہا ہوں۔"

اس گفتگو کا پس منظر اور پیش منظر ارباب عقل وشعور اور دانشورانِ قوم وملت پر اچھی طرح واضح ہوگیا ہوگا کہ مبارکپور کے لئے حافظ علیہ الرحمہ کا انتخاب اور ان کی رضامندی کا بنیادی مقصد کیا تھا؟ اگر ہمہ گیر پیمانے پر دینی اور انسانی خدمات کے علاوہ کوئی دوسرا جذبہ کارفرما ہوتا تو حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے آگرہ کی جامع مسجد میں خطابت وافتاء کے لئے ڈھائی سو روپیہ ماہانہ کی جو پیش کش کی تھی اسے مسترد کرنے کی کیا وجہ تھی۔؟

مذکورہ بالا نظریئے کو مولانا مختار صاحب نے بھی اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "اور منظور بھی کیسے کرلیتے جسے قدرت نے ساری امت کے لئے منتخب کیا تھا وہ ایک مسجد کے چند نمازیوں کی قیادت پر کیسے قانع ہوتا جسے علم وحکمت کے غیر فانی خزانوں کا امین بنکر لاکھوں سائلوں کے دامن طلب کو معمور کرنا تھا وہ سیم وزر کے چند فانی ٹکڑوں پر نظر ڈالنا کس طرح گوارہ کرلیتا جسے بے آب وگیاہ بنجر صحراء کے سینہ پر ایمان وعرفان اور علمی فیضان کا گلشن سجا کر ایک عظیم انقلاب سے زمانہ کو روشناس کرانا تھا وہ بھی سجائی جنت النعیم کی باغبانی کے منصب کو کیسے قبول کرلیتا۔"

اور حقیقت بھی اس سے مختلف نہیں کہ حضور حافظ ملت نے عالمی پیمانے پر انسانی خدمات کا تصور دے کر دنیا کے سامنے ایک عظیم الشان روحانی اور مذہبی انقلاب برپا

کرنے کا بہت پہلے ایک سنہرا خواب دیکھا تھا جس کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے حکم پر مصباح العلوم مبارک پور میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لائے اور یہیں سے ان کی انسانی خدمات کے حسین باب کا آغاز ہوتا ہے۔ آپ کی آمد سے قبل مبارکپور کا انسانی ماحول کس قدر پراگندہ اور شوریدہ تھا۔ اس کا اندازہ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے اسی ایک جملے سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے حافظ ملت کو روانہ کرتے وقت ارشاد فرمایا تھا:

"حافظ صاحب میں آپ کو اکھاڑے میں بھیج رہا ہوں۔"

تاریخ شاہد ہے کہ آپ کی آمد سے قبل مبارکپور کی انسانی آبادی پر ضلالت و گمرہی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہر چہار جانب ظلم و بربریت کا طوفان کھڑا تھا اور زندگی کے شب و روز اور لیل و نہار براہ راست اسلامی عقائد و نظریات سے متصادم تھے ان کی پیشانیوں پر اسلام دشمنی کا وحشت و تنفر نمایاں تھا۔ قدم قدم پر اسلامی قانون کی خلاف ورزی زندگی کا معیار بن چکی تھی۔ عشق رسول اور اسلامی تعلیمات کی شمع فروزاں گل ہو چکی تھی۔ پیروں میں شیطانی قانون اور نجدی فکر کی زنجیریں پڑی ہوئی تھیں مختصر یہ کہ مبارک پور کی شوریدہ سرزمین آج سے چودہ سو سال پہلے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت کفار مکہ کی مخالفانہ سرگرمیوں اور باغیانہ تحریکوں کی داستان دلخراش کی یاد تازہ کر رہی تھی مگر قربان جائیے عزم و استقلال کے اس خاکی پیکر پر جو مصائب و آلام کے سامنے کوہ گراں بن گیا آندھی اور طوفان کے سامنے جبل مستقیم بن گیا اور مسلسل تن تنہا مناظرہ کرنے کے بعد وہابیوں کو شکست فاش سے دوچار کیا اور ان کے سینوں پر اسلام کا ہلالی پرچم نصب کر دیا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے باطل عقائد و نظریات کی تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ان تمام مشکلات کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنا انسانی خدمات کی راہوں کو ہموار کرنے اور حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے تھا اور ساتھ ہی ساتھ دشمنانِ اسلام کی متحدہ محاذ آرائیوں میں الجھ کر انسانی خدمات کے اس عظیم الشان منصوبے سے دور نہیں ہونا چاہتے تھے جس کا تصور نگاہوں میں بسا کر مبارکپور تشریف لائے تھے۔ صاحب فراست قائد اور نباض وقت ہونے کی حیثیت سے دشمن کی اس شاطرانہ چال سے برابر ہوشیار رہے کہ وہ ہمیں غیر ضروری کاموں میں الجھا کر مقصد سے بھٹکانا چاہتا ہے اسلئے ضروری تھا کہ مسموم حالات کی کروٹوں اور گردش ایام کی مذموم سلوٹوں سے ناطہ توڑ کر انسانیت کی تعمیر و ترقی میں جان توڑ کوشش کریں۔ اسی جذبے سے مغلوب ہو کر روزانہ بارہ تیرہ کتابوں کا درس دیتے جن میں سب سے چھوٹی کتاب شرح جامی ہوتی۔ رفتہ رفتہ آپ کے علم و عرفان کی چمک جلوؤں کی کشش شخصیت کی دلربائی کردار کا تقدس سیرت کا جمال اور سچائیوں کا اجالا دلوں کے آفاق پر پھیلنے لگا اور انسانی آبادی میں حیرت انگیز طور انقلاب برپا ہونے لگا۔ اصلاح معاشرہ کا مزاج بدلنے لگا۔ جہالت و گمرہی اپنی بساط حیات سمیٹ کر فنا کی وادیوں کی طرف بھاگنے لگی اور تشنگان معرفت الٰہی بے ساختہ اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے طالبان علوم نبوت کارواں دواں قافلہ مبارکپور کی سرزمین پر اترنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے مصباح العلوم کی عمارت اپنی تنگ دامنی کا شکوہ کرنے لگی اور کاروان شوق و طلب کی کثرت و اژدہام نے رہائش و اخراجات کا حوصلہ شکن مسئلہ کھڑا کر دیا۔ چونکہ ہر قوم کو آزمائش و ابتلاء کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اس لئے مبارکپور کی عوام کے لئے یہ آزمائش کی گھڑی تھی۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے لئے ضروری تھا کہ عربی یونیورسٹی کے اعلان سے پیشتر اپنے انصار و معاونین کے ایثار و قربان اور جذبۂ جاں نثاری کا عملی جائزہ لیں جو ظاہری اسباب کا درجہ رکھتے تھے۔ انھیں تمام باتوں کے پیش نظر آپ نے قوم کے سامنے دارالعلوم اشرفیہ کی تاسیس کا تصور

پیش کیا۔ عقیدتوں کے پھول نچھاور ہیں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ پر جن کی تعلیمات وخدمات نے چشم زدن میں صدیوں کے بگڑے ہوئے انسانوں کو ایسا بدل دیا کہ جو قوم آپ کی آمد سے قبل کفار مکہ کی باغیانہ سرگرمیوں کی تاریخ دہرا رہی تھی آج وہی قوم انصار مدینہ کی جانثاریوں کا عکس جمیل بن گئی۔ قوم نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ کو ہر حیثیت سے سراہا بس کیا تھا حضور حافظ ملت کے جواں حوصلوں میں بے پناہ قوتیں انگڑائیاں لینے لگیں۔ دارالعلوم اشرفیہ کے لئے چندہ ہونے لگا۔ اشرفیہ کے در و بام پر سیم وزر کی بارشیں ہونے لگیں مال و دولت لٹائے جانے لگے بنارسی ساڑیوں کے ڈھیر لگ گئے اور عورتوں نے اپنے قیمتی زیورات سالار کارواں کے قدموں میں بچھا دیئے انسانی عقل وشعور اس سوال پر دم بخود ہے کہ اس قوم کو اس طرح کا ناقابل فراموش اسلامی فکر ونظر کس نے عطا کیا؟ جذبۂ ایثار و قربانی کا شعور کس نے بخشا؟ زندگی گزارنے کا اعلیٰ معیار کس نے دیا؟ دین وسنت پر قربان ہونے کی آرزو کس نے عطا کی؟ ان کے تنگ و تاریک دلوں میں صدیوں سے سوئی ہوئی سرفروشی کی روح کو کس نے جگا دیا؟ صدیق و عمر، عثمان و علی کی طرح راہ حق میں جانبازی کی امنگ کس نے پیدا کی؟ زمانہ بول پڑا حضور حافظ ملت کی انسانی خدمات اور ان کی تحریر وتقریر نے تاریخ پکار اٹھی ان کی تعلیم و تربیت، تبلیغ و

ترویج اور اخلاص و وفا کے سچے نقوش و اثرات نے عبادت و مزاج پرسی اور غم و اندوہ میں برابر کی شرکت نے جیسا کہ اس نظریے کی تائید و توثیق محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب قبلہ کی اس تحریر سے ہو رہی ہے کہ "حافظ ملت کی ایسی پرخلوص خدمتوں کا عوام وخواص کی زندگیوں پر خاصا اچھا اثر مرتب ہوا اور اشرفیہ کی ترقی کی راہیں بھی ہموار ہوئیں" بالآخر حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی غیر فانی انسانی خدمات اور قوم کی تعمیر وترقی میں ان کی بے نظیر جرأت مندانہ جانفشانیوں نے وہ گل کھلایا جو اشرفیہ کی شکل میں ظاہر ہو کر پورے ہندوستان کو معطر کرنے لگا۔ اور ۱۲ر شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۵ء بروز جمعہ حضرت اشرف میاں کچھوچھوی اور صدر الشریعہ اعظمی علیہما الرحمۃ کے ہاتھوں **دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم** کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور چند ہی دنوں میں یہ اپنی علمی فکری خدمات کی وجہ سے پورے ملک میں متعارف ہو گیا۔

مبارکپور کی زندہ دل قوم اور حوصلہ مند آبادی اتنا سب کچھ لٹانے کے باوجود وہ کارہائے نمایاں انجام دینے کے لئے بے محابا تیار کھڑی تھی۔ خوش آئند حالات کو محسوس کرتے ہی حضور حافظ ملت کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ جس وقت کا صدیوں سے انتظار تھا اب وہ

آگیا ہے چنانچہ آپ نے ایک عظیم الشان عربی یونیورسٹی کے قیام کا اعلان فرمایا جس کا خارجی وجود رہتی دنیا تک انسانی کی ہدایت کے لئے منارۂ نور ثابت ہو جہالت و تاریکی کے ایوان میں ایمان و عرفان کا اجالا بکھیرتا رہے یہ خبر سارے ہندوستان میں بجلی کی طرح پھیل گئی آپ کے اس بے باکانہ اقدام پر داد وتحسین کی صدائے بازگشت سے پورا ہندوستان گونج اٹھا جہاں تشریف لے جاتے آپ کو دیکھنے کے لئے انسانوں کا سیلاب امنڈ آتا اور عربی یونیورسٹی کے قیام کے بنیادی مقاصد کو سنکر ان کی جبین عقیدت پر مسرت وشادمانی کی لکیریں ابھر آتیں آنے والوں میں یونیورسٹی کے ماہرین فکر و فن اور کالج کے طلبہ بھی ہوتے کچہری کے وکلاء اور میدان سیاست کے قائدین بھی ہوتے یہ جدید ذہنیت کے مالک اور عصری علوم و فنون کے نشے میں شتر بے مہار کی طرح بھٹکنے والے لوگ جب حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی فلک پیماں ہمتوں پر حاوی تقریر کو سنتے تو دریائے حیرت میں پڑ جاتے اور یہی تقریر آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کے جشن افتتاح کے موقع پر بھی فرمائی تھی کہ "میں اپنے اس ادارے میں قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ انگریزی، ہندی، سنسکرت کو زبان کی حیثیت سے نصاب میں داخل کرونگا تاکہ میرے طالب علم دنیا کے گوشے گوشے میں ان زبانوں کے ذریعہ اسلامی افکار و نظریات کی تبلیغ و

ترویج میں کوئی دشواری محسوس نہ کریں میں اپنے اس الجامعۃ الاشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) کے نصاب میں ٹیکنیکل تعلیم کے شعبے میں صابن بنانا۔ کپڑے کی کٹنگ کرنا سلائی اور دوسری مشینری کے کاموں کو داخل کروں گا۔ بلاشبہ آپ کا یہ بیان عالمی سطح پر انسانی خدمات کی ہمہ گیری کا آئینہ دار ہے۔ انھیں جذبات وعزائم کا نتیجہ تھا کہ آپ نے بلاتاخیر سہ روزہ تعلیمی کانفرنس کے انعقاد کا اعلان فرمایا اور اعلیٰ پیمانے پر اس کی تیاری میں سراپا مصروف ہو گئے انتہائی برق رفتاری سے چندے کی فراہمی کا کام ہونے لگا اس دلآویز موقع پر مبارک پور کے مسلمانوں کی بے مثال قربانیوں کو فراموش کرنا ناانصافی کے مرادف ہوگا۔ چنانچہ مولینا بدرالقادری مصباحی ان کی صحیح عکاسی اور منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تن من دھن کی بازی لگانا ابتک صرف سنتا تھا مگر اس کی عملی تصویر مبارکپور میں تعلیمی کانفرنس کی تیاری کے موقع پر نظر آگئی کانفرنس کا اعلان ہوتے ہی پورا قصبہ کسی عاشق مہجور کی طرح جو وصال یار کا مژدہ سن لے دوڑ پڑا اور من سے لے کر دھن تک کی قربانی کا ایسا منظر پیش کیا جو بے مثال ہے۔ سارا ملک کانفرنس کے سراپا انتظار میں ڈوبا ہوا تھا۔

بالآخر کانفرنس کی تاریخ آگئی اور ۲۱ر ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۶ر مئی ۱۹۷۲ء کو متعدد علماء کرام کے ہاتھوں الجامعۃ الاشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں وہ فلک بوس عمارت بنکر کھڑی ہو گئی جس سے رہتی دنیا تک انسانی کام لیا جانے والا تھا۔ وہ کارخانہ علم وجود میں آگیا جس کے پروردہ انسانی کے ہر شعبے میں اسلامی تعلیمات کو فروغ دے سکیں اور یہی الجامعۃ الاشرفیہ کی تاسیس کا بنیادی مقصد بھی ہے جیسا کہ حضور حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ کے جشن تاسیس کے زریں موقع پر دارالعلوم اشرفیہ کے ابنائے قدیم کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے جس قدر رقت انگیز لہجہ اور مؤثر انداز میں یہ بات بیان فرمائی۔ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ اشرفیہ نے کاغذی اشتہارات واخبارات تو شائع نہیں کئے لیکن (حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب قادری حضرت علامہ ارشد القادری مولانا قمرالزماں اعظمی اور دیگر ممتاز شاگردوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) یہ سب وہ زندۂ جاوید اخبارات واشتہارات ہیں جنھیں بڑے اہتمام کے ساتھ خون جگر کی سرخیوں سے شائع کیا چونکہ مبارکپور میں حضور حافظ ملت کی تشریف آوری کے وقت جس نوعیت کے حملے آپ پر ہوئے اس کا لازمی تقاضہ تھا کہ آپ اپنی حیات مبارکہ میں ایک ایسے لشکر کی تشکیل دیں جس کا ہر دستہ اور دستے کا ہر سپاہی علمی اخلاقی اور روحانی اسلحوں سے پوری طرح آراستہ ہو اور مسلمانوں کے سرمایۂ ایمان کی حفاظت کے لئے آندھی اور طوفان سے بھی ٹکرا جائے خاک وخون میں تڑپنے کا حوصلہ رکھے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں اور دہکتے ہوئے انگاروں سے گزر جائے مگر اسلام کی عزت وآبرو پر آنچ آئے اسے کبھی برداشت نہ کرے۔

اور یہ بات اہل عقل پر مخفی نہیں کہ عصر جدید میں دشمن کے حملہ کرنے کا انداز بدل گیا ہے دن کے اجالے میں نہیں وہ رات کی تاریکی میں حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا ہے تلوار اور نیزے سے نہیں تحریر وتقریر اور زبان وبیان کے ذریعہ اسلامی فکر ونظر پر شب خون مارنے کی ناپاک سازشیں کرتا ہے اس لئے آپ نے عملی طور پر اپنے شاگردوں میں ایک طرف مناظرین ومصنفین کا دستہ چھوڑا تو دوسری طرف خطباء اور مبلغین کی جماعت بھی تیار کر دی تاکہ جس نوعیت کا حملہ ہو اسی نوعیت کا جوابی حملہ بھی کیا جا سکے۔ اور ساتھ ہی ساتھ مستقبل میں اٹھنے والے ارتدادی فتنوں کے سدباب کے لئے **الجامعۃ الاشرفیہ** کی شکل میں ایک ناقابل تسخیر قلعہ اور ناقابل شکست حصار بھی کھڑا کر دیا تاکہ قیامت تک کے لئے انسانوں کی رہنمائی کا سامان پیدا ہو جائے اور ہر دور میں الجامعۃ الاشرفیہ

(بقیہ صفحہ ۱۰۳ پر)

حافظِ ملت ایک عظیم شخصیت

یعقوب اختر فیضی قادری رفیق اصلاحی اکیڈمی رفیع گنج اورنگ آباد

عظیم شخصیتوں کی تعمیر و ترقی میں بہت سے اسباب و عوامل دخیل ہوا کرتے ہیں۔ کبھی خاندانی شرافت اور اعلیٰ روایتوں کا فیض ہوتا ہے تو کبھی دولت و ثروت کی کرشمہ سازی ہوتی ہے کہیں وسیع تعلقات کا اثر ہوتا ہے تو کبھی حالات کی سازگاری ترقی درجات کا سبب بنتی ہے۔ بسا اوقات مداہنت و چاپلوسی اور ضمیر فروشی کرکے کبھی انسان اقتدار و اختیار کی کرسیوں پر بیٹھ کر عارضی شہرت و ناموری کی تاریخ مرتب کرلیتا ہے۔ لیکن کتنی عظیم ہے وہ شخصیت اور کتنا صاحب فضل و کمال ہے وہ انسان جو اپنے دل و دماغ، اپنی محنت و کاوش، اور اپنی قوت بازو سے علم و فضل کی شاخوں پہ آشیانہ بنائے، اور اپنی زبان و قلم، کردار و عمل، اور ناقابل شکست عزم و حوصلہ، تدبر و تفکر اور قوت ارادی کی بے پناہ طاقت کے ساتھ میدان عمل میں اترے اور بادل کی طرح پوری دنیا پہ چھا گئے ؎

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

کون نہیں جانتا کہ حافظ ملت ضلع مراد آباد کے ایک گمنام قصبہ بھوجپور کے ایک غریب مگر دیندار و معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ آباء و اجداد میں نہ کوئی پیر تھا نہ پیرزادہ، نہ کوئی مالدار تھا نہ رئیس زادہ، والد گرامی نہایت سادہ لوح انسان تھے۔ توکل علی اللہ جن کا شیوہ تھا، امامت کی، جو مل گیا، اسی پر صبر کیا مدرسہ میں تعلیم دی، تنخواہ کا کوئی حق نہیں۔ بچے کو اپنے ہی طرح حفظ قرآن کی تعلیم دی، بچہ جب سن شعور کو پہنچا تو گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ دوش ناتواں پر آگیا۔ لیکن حافظ ملت کی جبلت میں قدرت نے علم و فضل کا جو داعیہ ودیعت فرمایا تھا وہ بھلا انھیں صرف "حافظ جی" بنے رہنے پر کیسے قانع رہنے دیتا۔ جسے قدرت نے ساری ملت کی قیادت کے لئے منتخب کیا تھا، وہ ایک مسجد کے چند نمازیوں کی امامت کو کیسے گوارہ کرلیتا، جسے علم و حکمت کے لافانی خزانوں کا امین بن کر لاکھوں سائلوں کے دامن طلب کو پُر کرنا تھا، وہ سیم و زر کے چند فانی ٹکڑوں کو کیسے قبول کرلیتا۔ اسی جذبۂ بیکراں نے تحصیل علم پر ابھارا، لیکن مجبوریاں زنجیر بن گئیں۔ مجبور ہو کر والدۂ محترمہ سے اظہار تمنا کرنا پڑے۔ "امی جان! آپ تو کہا کرتی تھیں کہ تیرے دادا نے کہا ہے کہ تو عالم دین بنے گا۔ لیکن میں تو نہیں بنا"! ماں کا کلیجہ تڑپ جاتا ہے آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں اور ہاتھ بارگاہ ایزدی میں اٹھ جاتے ہیں۔ دن گزرتے گئے آخر ماں کی دعائیں رنگ لاکے رہیں۔ اور بیٹا عالم گیر شہرت کا مالک بن گیا، مبارکپور کے سنی مسلمانوں نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے ایک باصلاحیت مدرس کی عرضداشت پیش کی، جو مدرسے کے تعلیمی معیار کو آگے بڑھا سکے، اہل مبارکپور نے ایک مدرس طلب کیا تھا، لیکن آپ کی ایمانی بصیرت کی نگاہ دیکھ رہی تھی کہ مبارکپور کو صرف ایک ماہر و کامل مدرس ہی کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک ایسے باعمل، جفاکش اور سراپا اخلاص رہبر کی ضرورت ہے جو ایک طرف علم و فضل کا سرچشمہ بن کر تشنگان علوم کی پیاس بجھائے، تو دوسری طرف مینارۂ ہدایت بن کر ضلالتوں کی سیاہی کو اپنی بساط حیات سمیٹ کر فنا کی وادیوں کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کردے۔ عداوت رسول سے بھری ہوئی فضاؤں میں عشق رسول کی خوشبو گھولدے۔

گمراہی کی تاریکیاں دور ہو جائیں اور
ہر طرف ایمان وسنت کا سویرا جگمگانے
لگے، چنانچہ ایسی عظیم شخصیت کے
انتخاب کے لئے صدر الشریعہ کی نگاہ
اٹھی۔ اور حافظ ملت پر جاکر ٹھہر گئی

؎ اسے کہتے ہیں قسمت کی بلندی
کہ زیب سر ہے تاج ارجمندی

کون حافظ ملت؟

وہ حافظ ملت: جو ایک سچے
نائب رسول، ایک قدسی صفت
بزرگ اور راسخ الاعتقاد مرد مومن
تھے۔

وہ حافظ ملت: جو ائمہ اسلام
اور مشاہیر امت کے نقش حیات تھے۔

وہ حافظ ملت: جو سلف صالحین
کی زندہ و تابندہ تصویر تھے۔

وہ حافظ ملت: جو اولیاء اللہ
کی برکت و فیضان کا جلوہ زیبا تھے۔

وہ حافظ ملت: جو دینی وقار
اور اسلامی غیرت کے ایک نادر
الوجود نمونہ تھے۔

وہ حافظ ملت: جو عقل و عشق
فقر و غنا، علم و عمل اور شریعت و
طریقت کے دریاؤں کا سنگم تھے۔

وہ حافظ ملت: جو ایک سخت
کوش اور جفاکش وجود میں رازی
کی نکتہ آفرینی، غزالی کا مکاشفۂ
قلبی جنید بغدادی کی نفس کشی، امام
اعظم کے فقہی تدبر و تفکر، امام بخاری
کے محدثانہ جلال۔ امام ترمذی کے نقد و
جرح اور امام احمد رضا کی احیاء
سنت و دین کا ایک تراشیدہ پیکر تھے۔

وہ حافظ ملت، جنہوں نے
خلوتوں کے کنج گمنامی میں بیٹھ کر
لا الٰہ الا اللہ کی ضرب لگائی۔ اور
مسند ترا لیس پر فائز ہو کر قال اللہ
وقال الرسول کا نغمۂ دلکش بھی
الاپا۔ کتنی یگانگت تھی جلوت و
خلوت میں، وہ علم وعرفان کے ایک
بحر ناپیدا کنار تھے۔ جس کی خاموشی
سے اس کی گہرائی وگیرائی کا پتہ
چلتا ہے۔ ؎

موج دریا سے یہ کہتا ہے سمندر کا سکوت
جسکا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

وہ اسلام وسنت کا ایک
مہکتا گلشن تھے، جدھر سے گزرے
فضا معطر ہو گئی، جسے چھو دیا، شفاء
مل گئی، دعا دی مقدر سنور گیا
جہاں قدم رکھا بہار آگئی، جس
جگہ بیٹھ گئے، محفل سج گئی۔ ادھر
نگاہِ التفات اٹھی۔ اُدھر مشکلات
کی گرہ کھلی، اِدھر مسکرا کے دیکھا
ادھر کامرانیوں کا سویرا ہوا۔ ؎

یوں مسکرائے جاں سی کلیوں میں پڑ گئی

ان کی پوری حیات طیبہ
اخلاقِ فاضلہ، ملکات نفسانیہ
کی ایک انجمن تھی، کسی نے زہد و
تقویٰ کو دیکھا۔ تو ریجھ گیا، کسی
نے توکل و شانِ استغنا کو دیکھی
تو گرویدہ ہو گیا، کسی نے سادگی
میں سطوت شاہانہ دیکھی تو دامن
سے وابستہ ہو گیا، کسی نے اخلاقِ
للّٰہیت کا مطالعہ کیا تو اسیر بن گیا،
کسی نے چھوٹوں پر شفقت و پیار
دیکھا تو وارفتہ ہو گیا، کسی نے
دینی سرگرمیوں کے لئے زندگی وقف
کی تو فدائی بن گیا۔

؎ ایک چراغ عشق سے جلتے گئے، کتنے چراغ
خاک کا ہر ذرہ کہکشاں بنتا گیا

غرضیکہ حافظ ملت ایک متنوع
اور گوناگوں خوبیوں کے حامل تھے
مزاج میں ایسی سادگی کہ ہزاروں
رعنائیاں جس کو نیازمندانہ سلام
کرتی ہوں، سیکڑوں سادگیاں جس
پر قربان، ایک نحیف و ناتواں جسم
لیکن پہاڑ جیسا عزم و حوصلہ۔ آپ کا
نہاں خانۂ دل، ہمدردی و غمگساری
کے جذبے سے لبریز تھا۔ امیر ہو یا غریب
طلباء کی جماعت ہو یا ارادت مندوں
کا ہجوم، سب کے ساتھ آپکا سلوک
یکساں اور مشفقانہ ہوتا، ہر وہ شخص
جو شرفِ نیاز حاصل کرتا، یہی تأثر
بن کر جاتا کہ حضرت میرے بہت
ہمدرد ہیں۔

آپ کی متشرع زندگی کا اگر
تجزیہ کیا جائے تو ساری زندگی
اتباع سنت وخشیتِ الٰہی کے نور سے
معمور دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر عبد المجید
خاں بلرامپوری کہتے ہیں کہ مجھے جب
کسی شرعی طریقہ کی تلاش ہوتی، تو
میں یہی سوچتا کہ، حضرت تشریف
لائیں گے، تو اس سلسلے میں ان کا
عمل دیکھ لوں گا۔ اور وہی حکم شرعی
ہوگا۔

آگے فرماتے ہیں:

میں حضرت کی پاپوش دیکھتا
ہوں سوچتا کہ حضرت کو بوٹ یا سلیپر
جوتا پہننا چاہئے۔ اور حضرت ہلکے
تلے ناگرہ جوتا استعمال کرتے ہیں۔
لیکن جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی
علیہ الرحمۃ والرضوان کا کشیدہ نقش

نعلینِ مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کا دیکھا۔ تو بات سمجھ میں آگئی کہ یہاں بھی
سنتِ رسول کی اتباع مقصود ہے۔
(حافظ ملت نمبر ص۲۴۶)

عمر شریف ستر سال کو عبور کر چکی
ہے۔ ٹرین میں ایک ڈاکٹر سے ملاقات
ہوئی۔ منزل سفر اور ہمسفر سے آشنائی
ہوئی۔ ڈاکٹر آپ کی آنکھوں میں
جھانک کر گویا ہوا، میں آنکھ کا ڈاکٹر
ہوں، مگر اس پیرانہ سالی میں بھی
آپ کی بینائی میں کوئی فرق نہیں آیا
بلکہ آپ کی آنکھیں بچوں کی طرح
چمک رہی ہیں، مجھے بتائیے کہ آپ کیا
استعمال کرتے ہیں؟ ارشاد فرمایا:
ڈاکٹر صاحب میں کوئی خاص
دوا وغیرہ تو استعمال نہیں کرتا، ہاں!
ایک عمل ہے جسے میں بلا ناغہ کرتا ہوں
رات کو سوتے وقت سنت کے مطابق
سرمہ استعمال کرتا ہوں۔ اور میرا
اذعان ہے کہ اس عمل سے بہتر آنکھوں
کے لئے کوئی دوا نہیں ہو سکتی۔
(ماہنامہ اشرفیہ ۱۹۸۵ء)

سنتِ رسول کے اتباع کا یہ
حال تھا کہ چاہے کتنی ہی نازک
گھڑی ہو مگر سنت رسول کا دامن ہاتھ
سے ہرگز نہ چھوٹتا! ایک مرتبہ ٹرین
سے سفر فرما رہے تھے عصر کا وقت
بہت کم رہ گیا تھا، ٹرین ایک اسٹیشن
پر رکی۔ حضرت نے اتر کر وضو فرمایا
اتنی دیر میں سگنل ہو گیا، گارڈ نے
وسل بھی بجا دی، ٹرین نے رینگنا
شروع کر دیا، ہمسفر نے کہا حضور ٹرین
چل پڑی ہے، آپ فوراً سوار ہو جائیں
لیکن حضرت نے ٹرین پر سوار ہونے
کے بجائے پلیٹ فارم پر نماز عصر
کے لئے مصلیٰ بچھا دیا۔ سامان ٹرین
پر تھا۔ اس لئے ہمسفر فوراً ٹرین پر
سوار ہو گیا، ٹرین نے اسپیڈ لے لی
اور حضرت بڑے اطمینان اور دلجمعی
کے ساتھ نماز ادا کرتے رہے، ہمسفر
کا بیان ہے کہ نماز کے لئے حضرت
نے ٹرین چھوڑ دیا۔ یہ اور بات
ہے کہ ٹرین نے حضرت کو نہیں چھوڑا
اس لئے کہ آگے آؤٹر سگنل پر پہنچ
کر ٹرین رک گئی۔ پتہ چلا، انجن
فیل ہو گیا ہے۔ حضرت نماز سے
فارغ ہو کر مسکراتے ہوئے آئے
اور اپنے ڈبے میں تشریف لے گئے
جیسے ہی حضرت ٹرین پر سوار ہوئے
انجن اسٹارٹ ہو گیا۔
(حافظ ملت افکار اور کارنامے ص۹۸)

یہ آپ کی اسلامی روش اور
شریعت مطہرہ کی پابندی ہی تھی
آپ کا سفر حجاز بھی ایک زندہ جاوید
کرامت ہے۔ مدتوں سے آرزو تھی
کہ دیار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں
حاضر ہوں، لیکن فوٹو کا مسئلہ سد
راہ تھا، کچھ عزیزوں نے درخواست
کی، حضور آج پاسپورٹ کے زمانے
میں بلا فوٹو حج امر محال ہے! حضرت
نے فرمایا:

وہ عبدالعزیز اتنا جری نہیں ہے
کہ جس نے تصویر کشی کو حرام کیا
ہے اسی کے سامنے اس کا قانون
توڑ کر جائے اگر انھیں بلوانا ہو گا
تو کوئی جائز و مستحسن سبیل پیدا
فرما دیں گے، اگرچہ بادی النظر
میں امر محال ہے۔ لیکن اگر ان کو
بلانا مقصود ہو تو کوئی محال نہیں۔ ؎
ہمیں محال ہے لیکن انھیں محال نہیں

آخر دل کی لگن رنگ لا کے
رہی، بطحا سے حاضری کا پروانہ آیا،
اور بغیر فوٹو پاسپورٹ بن گیا۔ اور
دلِ بے قرار کو قرار آ گیا۔ ؎
مانگی مراد مل گئی بزم حبیب سے

دنیا آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی
رہی، آپ گئے اور آئے، لیکن دشمن
ان کی گرد راہ تک نہ پا سکا، یہ پاسپورٹ
ایک ایسا معجزہ ہے جس نے دشمنوں کا
بھی دل جیت لیا، کوئی بتائے اسے
کرامت نہ کہا جائے تو کیا کہا جائیگا۔
(ملخصاً حافظ ملت نمبر)

حافظ ملت کی زندگی کا ہر شعبہ
شعبۂ لازوال کی حیثیت سے سامنے
آتا ہے، آپ ایک طرف اگر ذوق
خارِ ستم کو پیمانۂ معرفت کے چھینٹے دیتے
رہے۔ تو دوسری جانب قوم کے گرم
بستروں کی شکنوں کو بھی آواز دیتے
رہے۔

حضور حافظ ملت کی مسلسل
صدائے بازگشت نے گویا خلاؤں کا
سینہ چیر کر رکھ دیا، مخمور آنکھوں میں
ایک ہلچل مچ گئی، اور پھر اسی ایمانی
آواز کے سائے میں ساری قوم کچھ
ایسی انگڑائی کے ساتھ حرکت میں
آئی، کہ برسوں کا جمود منتشر ہو گیا
سارا ماحول جذبۂ شوق اور کردار و
عمل سے بھرپور دکھائی دینے لگا۔
تعلیم و تربیت اور عشق مصطفےٰ کے نام
پر اگر فرزندوں نے اپنا خون جگر نچھاور
کر دیا، تو عورتوں نے زیورات سے
اپنے جسم خالی کر دیئے۔ سیم و زر کی

موسلا دھار بارش ہونے لگی، وہ بھی دریا تو عاشقوں نے متاعِ خانہ بھی لٹانا شروع کر دیا، "نوبت بایں جا رسید" کہ جگر کے ٹکڑوں اور آنکھوں کے تاروں کی باری آگئی، وارفتہ انداز بتا رہا ہے کہ ہوش نہ ہو، ہوش کی دنیا پر اب کسی اور کا قبضہ ہے، جیسے کسی دلنواز نے بادۂ کوثر کے چھلکتے جام لبوں سے لگا دئیے ہیں۔ ؎

سرمدی زندگی عطا کردی
اے غمِ دوست تیری عمر دراز کرے

کسی کام کی حد ہوتی ہے، یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ مانگنے والوں نے مجبور ہو کر اپنی جھولیوں کا منہ بند کر لیا، پلٹ کر دیکھا تو آنکھوں سے سیلاب اشک رواں ہیں۔ ارے یہ کیا؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟ نہیں، نہیں، یہ اشک ہائے حسرت ہیں جو شاید ناکامیٔ شوق کا گلہ کرنے آئے ہیں۔ ؎

کچھ نہ پوچھو میرا جوشِ جنوں اندازِ جنوں!
مجھ کو دیوانے بھی کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے

اب گمنام مبارکپور شہرۂ آفاق ہو چکا تھا، تشنگانِ علوم جھنڈ کے جھنڈ پروانہ وار مبارکپور کی جانب چلے آرہے تھے۔ اور چشمۂ حافظ ملت ان کی سیرابی کا سامان فراہم کر رہا تھا، راہ حق میں جان و دل قربان کرنے والوں کی فوج جوق در جوق آرہی تھی اور حافظ ملت انھیں ظاہری و باطنی علوم سے لیس کر کے رزمگاہوں میں بھیج رہے تھے جب یہ مجاہدین میدان کارزار میں اترے تو پوری دنیا میں ہلچل مچ گئی۔ ایشیا و یورپ کی دانشگاہوں میں کہرام بپا ہو گیا۔ امریکہ کی علمی و ادبی لائبریری اور چین و جاپان کا ٹیکنالوجی ماحول لرزہ بر اندام ہو گیا، ہمالہ کی برف پوش چٹانیں ہوں یا افریقہ کا گھناؤنا جنگل، ہر جگہ سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے علوم و معارف اور فکر و فن کے امین سے حافظ ملت کے فیضانِ کرم کا آئینہ دار نظر آنے لگے تھے ؎

آفریں صد آفریں اس مردِ حق آگاہ کو!
دیدیا جس نے عروج کوہ مُشتِ کاہ کو!

٭

ایک شوریدہ زمیں کو جس نے گلشن کر دیا
ڈالدی چشم کرم مٹی کو کندن کر دیا
(علامہ بدر القادری)

حافظ ملت کے اسی عظیم کارنامے کو دیکھ کر ڈاکٹر اختر بستوی (ریڈر شعبہ اردو گورکھپور یونیورسٹی) اپنی بے نیازی طبیعت کے باوجود پکار اٹھتے ہیں ؎

ویسے تو نہیں کوئی بشر نطق سے محروم
پائی ہے مگر حافظ ملت نے زباں اور
ہم ہو گئے بیدار پکارا جو انھوں نے
یہ سچ ہے کہ ہوتی ہے مجاہد کی اذاں اور

آج بھی جب ہم جامعہ کے بام و در اور اس کے دامن میں کھلے ہوئے علم و فن کے گلہائے رنگا رنگ کو دیکھتے ہیں تو جبین عقیدت خود بخود اس عظیم رہبر کے قدموں میں جھک جاتی ہے جس کے جذبۂ صادق، سعی پیہم اور سچی لگن نے صدیوں کے کام کو برسوں میں پورا کر دکھایا۔

حافظ ملت کا ملک و ملت کے تئیں یہی وہ عظیم کارنامہ ہے جس نے ان کو ابد الآباد کے لئے ناقابل فراموش اور زندۂ جاوید بنا دیا۔ یقیناً حافظ ملت ایک ایسی عظیم شخصیت تھے۔ جن کی ذات ہزاروں انجمنوں کا مرکز ثقل اور سیکڑوں اداروں کا خلاصہ تھی ؎

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

حافظِ ملت اور خدمتِ دین

غلام محمد بستوی
متعلم الجامعۃ الاشرفیہ

خدمت دین یا تبلیغ دین کے وسائل و ذرائع مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) درس.
(۲) تدریس.
(۳) تحریر.
(۴) تقریر.
(۵) عملی زندگی.

سب سے پہلے مسلمان اتنا علم حاصل کرے کہ وہ دوسروں کو تعلیم دے سکے اور لکھ سکے کہ دوسرے اسکو پڑھ کر معلوم کر سکیں اور بیان کر سکے کہ لوگ سن کر جانکاری حاصل کر سکیں اور عملی زندگی کا نمونہ پیش کرے کہ لوگ دیکھ کر سمجھ سکیں. چونکہ یہ سارے ذرائع علم حاصل کرنے کے مراکز کے محتاج ہیں لہذا ثابت ہوا کہ مدارس کا قیام ہی اصل خدمت دین ہے یا مدارس عربیہ ہی خدمت دین کے بنیادی ذرائع ہیں.

اس تفصیل کے بعد جلالۃ العلم استاذ العلما حضرت علامہ الحاج الحافظ الشاہ عبد العزیز مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی پر ایک نظر ڈالی جائے اور ماہنامہ اشرفیہ کے حافظ ملت نمبر اور ادارہ تحقیقات حافظ ملت کے زیر اہتمام شائع شدہ کتاب اذکار دو کارنامے کا سرسری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ مجسم خدمت دین تھے.

درس

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا طالب علمی زمانہ انتہائی دشواریوں کا زمانہ تھا. آپ نے جن حالات میں تعلیم حاصل کی ان حالات میں تعلیم حاصل کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور تھا. آپ نے ایسے ناگفتہ حالات میں علم دین حاصل کر کے خدا اعتمادی و خود اعتمادی کا ثبوت پیش کیا ہے. تفصیل کے لئے دیکھئے حافظ ملت نمبر ص ۹۶ تا ۲۳.

تدریس

آجکل مدارس دینیہ میں بھی تدریس ایک پیشہ ہو گیا ہے یہی وجہ ہے اساتذہ تنخواہوں کے پیچھے اس مدرسہ سے اس مدرسہ کی جانب بھاگتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اونچی تنخواہ پر نگاہ لگائے رہتے ہیں اس طرح تدریس جیسا محترم و معظم اور اہم دینی کام پیشہ اور صرف ایک باوقار ذریعۂ معاش ہو کر رہ گیا ہے.

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے تدریس کا کام خالص خدمت دین کے لئے کیا. آپ کے شفیق استاذ فقیہ اعظم حضرت علامہ الحاج الشاہ امجد علی اعظمی صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے جب آپ سے فرمایا میرا ضلع خراب ہو رہا ہے تم مبارکپور جاؤ تو آپ نے معذرت کے ساتھ فرمایا حضور میں نوکری نہیں کرنا چاہتا. اس کے جواب میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے فرمایا میں نوکری کرنے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ خدمت دین کے لئے بھیج رہا ہوں بس اسی جملہ پر آپ نے اپنی پوری زندگی صرف کر دی اور جس ثبات قدمی کے ساتھ آپ دین کی خدمت کرتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے اس کے معترف و مداح اپنے تو اپنے ہیں بیگانے بھی بڑی تعداد میں ملتے ہیں.

آپ نے پوری زندگی کا اکثر حصہ مدرسہ اشرفیہ مبارکپور میں گذارا اور آخری دم تک اس کی تعمیر و ترقی میں مصروف رہ کر ایک غیر معروف و گمنام مدرسہ کو عالمی حیثیت کی مرکزی

درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ تک پہنچایا۔ اور کبھی اراکین مدرسہ کے سامنے تنخواہ میں اضافہ کی درخواست نہیں کیا۔ بتقاضائے حالات (گرانی و مہنگائی) بارہا اراکین مدرسہ نے خود سے تنخواہ میں اضافہ کی پیشکش کی تو آپ نے اس پیشکش کو انتہائی سادگی، صفائی اور خلوص سے یہ کہہ کر قبول نہیں کیا کہ میرا کام اتنے میں چل جاتا ہے لہذا زیادہ کی ضرورت نہیں۔

اسی دارالعلوم اشرفیہ موجودہ الجامعۃ الاشرفیہ سے آپ نے اتنی بڑی تعداد میں خادمان دین پیدا فرمائے جو آج پوری دنیا میں دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس طرح آپ نے خدمت دین میں اپنی پوری زندگی تو صرف کیا ہی اور بعد کے لئے ایسا مستحکم انتظام بھی فرمایا کہ رہتی دنیا تک دین کی خدمت کا کام ہوتا رہے گا۔ (ان شاء اللہ)

تحریر

آپ کی تحریر کا دائرہ بہت وسیع نہیں ہے اس لئے کہ آپ کو تصنیف کا وقت ہی نہیں ملا لیکن معارف حدیث العذاب الشدید اور ارشاد القرآن کے مطالعہ سے آپ کی تصنیفی و تحریری صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور برملا کہا جا سکتا ہے کہ آپ بلند پایہ مصنف ہونے کے ساتھ ہی ساتھ وقت اور ماحول کے عظیم نباض بھی تھے۔ ماحول کے تقاضوں کے مطابق لکھنا بھی بلند پایہ مصنف، ادیب اور صحافی ہونے کی بین دلیل ہے۔ آپ نے ارشاد القرآن کی تحریر سے قوم و ملک اور ملت و مذہب پر آنے والے اس عظیم طوفان پر بند باندھ کر ترک وطن کر کے ہندوستان سے پاکستان جانے والے لاکھوں مسلمانوں کے لڑکھڑاتے قدموں کو ثبات عطا فرمایا اور قوم کے دل و دماغ کو عزم و حوصلہ کی قوت عطا فرما کر سکون بخشا۔ اس طرح آپ نے ہزاروں خانقاہوں، کروڑوں عبادت خانوں اور مساجد و مقابر کو محفوظ فرمایا اور ان کی حرمت کو پامال ہونے سے بچالیا اور اپنی تصنیفات کے ذریعہ خدمت دین کا عظیم کارنامہ انجام فرمایا۔

تقریر

آپ کا تقریری میدان بہت وسیع تھا ملک کے گوشے گوشے سے تقریری پروگراموں کے دعوت نامے آتے اور آپ تشریف لیجاتے تھے پوری زندگی میں ایک بھی ایسی مثال نہیں کہ آپ نے کسی جلسہ کی دعوت تو قبول کی ہو اور تشریف نہ لے گئے ہوں۔ الا آنکہ کوئی سخت رکاوٹ آگئی

حالانکہ مقررین کی عام روش یہ ہے کہ اکثر جلسوں کے منظور شدہ پروگراموں کو بہ تقاضائے منفعت چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ اور کوئی نہ کوئی عذر لنگ گڑھ لیا کرتے ہیں۔

آپ ایک بلند پایہ مقرر تھے آپ کو ہر موضوع پر تقریر کا ملکہ تھا آپ جو بیان فرماتے مستند و معتبر دلائل و براہین کے ساتھ بیان فرماتے۔ انداز بیان سادہ و عام فہم ہوتا۔ دقیق سے دقیق مسائل اس طرح حل فرماتے کہ ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آجاتا اور دل میں اتر جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے جلسوں میں ہر مکتبہ فکر کے افراد کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔

عملی زندگی

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، جملہ معمولات زندگی مکمل طور پر دینی و اسلامی تھے۔ مقالہ میں آپ کی عملی زندگی کا احاطہ ناممکن اور مجھ جیسے کم علم کے خواب و خیال سے بھی باہر ہے، البتہ صاحب شعور کی نظر میں مبارکپور اور اطراف مبارکپور کے در و دیوار بھی حافظ ملت کی عظمت کی بولتی تصویریں ہیں اور الجامعۃ الاشرفیہ آپ کی عملی زندگی کا عظیم شاہکار۔

از۔ مولانا بدر القادری مصباحی

حافظ ملت کے ایک مایۂ ناز تلمیذ

مصلح اہلسنت مولانا قاری محمد مصلح الدین صدیقی مصباحی

منزل حق کا نشاں ہیں مصلح الدین قادری
جان و دل سے ہیں فدائے روئے تابانِ نبی
خواجہ ہند اولی کے نام نامی پر فدا
قاریٔ قرآں خطیبِ بے بدل روشن ضمیر

رہبر پیر و جواں ہیں مصلح الدین قادری
آبروئے عاشقاں ہیں مصلح الدین قادری
عاشقِ غوثِ زماں ہیں مصلح الدین قادری
واقفِ سرِ نہاں ہیں مصلح الدین قادری

(سکندر لکھنوی)

نام ونسب

مصلح اہل سنت حضرت مولانا قاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری جنھیں گھر پڑوس کی بزرگ عورتیں پیارے "محبوب جانی" کہا کرتی تھیں۔ صبح صادق۔ بروز پیر ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۷ء قندھار شریف ضلع ناندیر ریاست حیدر آباد دکن ـ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام نامی غلام جیلانی تھا۔ جنھوں نے گھریلو تعلیم کے علاوہ حکومت دکن کے تحت امامت کا امتحان پاس کیا تھا[1] نہایت دیندار صوفی باصفا خطیب و عالم تھے۔ اپنے وطن کے اندر قلعہ کی مسجد اور دیگر مساجد میں ۵۵ رسال تک امامت و خطابت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ پاکستان پہونچکر ۲۵ رنومبر ۱۹۵۵ء کو کراچی میں انتقال فرمایا۔ اور میوہ شاہ قبرستان میں مدفون ہوئے۔ علم وادب کے قدرداں اور علماء وسلف کے جوہر شناس تھے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔

مصلح اہلسنت کے آباء و اجداد شرفاء دکن میں سے تھے اور پشتہا پشت سے خدمت دین اور فروغ اسلام کے فرائض سرانجام دیتے آرہے تھے۔ شاہان سلف نے انھیں جاگیریں دے رکھی تھیں اس لئے "انعامدار" کہلاتے تھے جاگیریں ان کے معاش کا ذریعہ تھیں۔ خاندانی شجرۃ اس طرح ہے۔ حضرت قاری محمد مصلح الدین قادری بن غلام جیلانی بن محمد نور الدین بن شاہ محمد حسین بن شاہ غلام جیلانی عرف سبز استاد بن شاہ غلام محی الدین بن شاہ محمد یوسف بن شاہ محمد بن شاہ محمد یوسف[2]

صدر الشریعہ کا فیضان علمی و روحانی

مصلح اہلسنت کے مقدر میں اسلام اور سنیت کی عظیم خدمات لکھی تھیں۔ اسی لحاظ سے رب تعالیٰ نے ان کی تعلیم و تربیت کے وسائل پیدا فرمائے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ برصغیر ہند و پاک میں چودھویں صدی ہجری کے آخری ۵۰ سالہ دور کو خلفائے امام احمد رضا بریلوی بالخصوص صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی اور ان کے تلامذہ نے اسلاف کرام کے طریقہ پر تعلیم و تربیت سے بہرہ ور کرنے میں مثالی کارنامے انجام دئیے ہیں۔

---

[1] مصلح اہلسنت قاری مصلح الدین سے ذاتی انٹرویو اعرفان منزل مصلح الدین نمبر صفحہ ۳۴۰ ناشر دارالکتب حنفیہ کھارادر کراچی ۵ سنہ ۱۴۰۵ھ [2] خاندانی شجرہ قاری مصلح الدین عرفان منزل مصلح الدین ص ۳۲۶

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ان مایہ ناز تلامذہ میں سرزمین پاکستان کو محدث پاکستان مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد قادری چشتی گورداسپوری سے اور سرزمین ہند کو محدث مبارکپور مولانا ابوالفیض عبدالعزیز مرادآبادی سے بہرہ مند ہونے کا خواب موقع ملا۔ حضور صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ گھوسی سابق ضلع اعظم گڑھ اور فی الحال ضلع مئو۔ یوپی، ہند کے ایک علمی گھرانے میں ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب جدامجد اور برادر بزرگ مولانا صدیق سے پڑھ کر مدرسہ حنفیہ جونپور میں استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ رامپوری (۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) کی خدمت میں تکمیل علم کیا اس کے بعد محدث العصر مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ (۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء) سے درس حدیث لیا آپ نے علم طب بھی سیکھا۔ دور طالب علمی ہی میں آپ کا علمی شہرہ ہو چکا تھا۔ کچھ سال محدث سورتی کے مدرسہ میں درس دیا۔ ایک سال پٹنہ میں مطب کیا مگر محدث سورتی کے اصرار پر امام احمد رضا کی درسگاہ میں صدر المدرسین کی حیثیت سے آگئے۔ اور عشق رسول کے اس عظیم منادی کی صحبت سے اس طرح وابستہ ہوئے کہ خود بھی عالم اسلام کے لئے مینارۂ نور بن گئے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہو کر ان کی خلافت سے بہرہ ور ہوئے۔ بریلی شریف، اجمیر مقدس، دادوں وغیرہ کی درسگاہوں کے ذریعہ خدمت تدریس انجام دیتے رہے اور اپنے عصر کے ماہرین علوم و فنون سے خراج تحسین وصول کیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی نصاب کمیٹی کے رکن رہے۔ علم فقہ اور فتاویٰ میں آپ کو خصوصی دسترس تھی جس کا امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کو بھی اعتراف تھا ؎ اسی لئے انھوں نے حضرت صدر الشریعہ اور مفتی اعظم ہند کو ہندوستان بھر کے لئے قاضی شرع فرمایا تھا ؎۔ بہار شریعت ۱۷ جلد میں فتاویٰ امجدیہ ۴ جلد میں اور حاشیہ شرح معانی الآثار صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے علمی شاہکار۔ اور علوم ظاہر و باطن سے آراستہ تلامذہ کا لشکر عظیم اور فرزندان گرامی انکی علمی یادگار ہیں۔ سفر حج کے دوران ۲ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء کو وصال فرمایا گھوسی میں مدفون ہیں ؎ آیت پاک ان المتقين في جنٰت وعيون تاریخ وصال ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ دار العلوم معینیہ عثمانیہ کے دور میں صدر الشریعہ سے حصول علم فرما رہے تھے۔ اسی دور کی بات ہے۔

جنھیں سیراب کرنے بدلیاں رحمت کی آتی ہیں۔

قندھار شریف ریاست حیدرآباد کے ایک بزرگ مولانا سید شاہ اسمٰعیل صاحب قبلہ خاندانی مرشد تھے، اس علاقے میں ان کے اہل ارادت کی خاصی تعداد موجود تھی سید صاحب ہر سال عرس خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے موقع پر پابندی سے اجمیر مقدس حاضری دیتے تھے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے بھی پیر صاحب قبلہ کے گہرے مراسم تھے۔ انھوں نے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے درخواست کی کہ رمضان المبارک کے موقع پر قندھار شریف کے تعلقہ شہر میں کسی اچھے حافظ قرآن کو روانہ فرمائیں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے شاگرد رشید "حافظ ملت" کو قندھار روانہ فرمایا۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے قندھار شریف پہونچ کر صرف قرآن مجید نہیں سنایا بلکہ نہ جانے کتنے قلوب کی محرابوں کو بیداری فکر کی دولت عطا کر دی۔ قندھار شریف، محراب سنانے کے بہانے حافظ ملت کی تشریف ارزانی کا سلسلہ پانچ سال یا اس سے زیادہ قائم رہا۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ حافظ ملت سال میں ایک ماہ تک ایک ایسے روحانی پودے کی داشت و پرداخت کے لئے صرف کیا کرتے تھے۔ جسے آگے چل کر مصلح دین اور مصلح ملت بننا تھا تو غلط نہ ہوگا۔ اس کمسن بچے کے ضمیر میں قرآن عظیم کے نور کے ساتھ ساتھ اخلاق قرآنی کی صورتیں کس طرح اتریں۔ اسے خود قاری صاحب کی زبان سے سنئے!

؎ آپ فضیلت جنگ بہادر نواب انواراللہ خاں کے استاذ و مربی ہیں۔ محمد ادریس ابوبکر، عرفان خاں مصلح الدین نمبر ص۲۰
؎ ڈاکٹر حسن رضا قادری تفقہ اسلام ص۲۳۔ ناشر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔ پاکستان۔
؎ مولانا محمد مصطفیٰ رضا (مفتی اعظم ہند) الملفوظ
؎ مولانا امجد علی (صدر الشریعہ) مقدمہ فتاویٰ امجدیہ جلد ۱ مطبوعہ کراچی ۱۹۸۰ء
؎ مولانا محمود احمد رضوی تذکرہ علماء اہلسنت ص۵۳۔ مطبوعہ بہار ۱۳۹۱ء

"ہمارے خاندان میں ایک مولانا علیم الدین صاحب تھے۔ ان کو میں قرآن کریم سنایا کرتا تھا۔ تو انھوں نے کہا کہ میں باہر جا رہا ہوں۔ لہذا آپ ان (حافظ ملت) کو قرآن کریم سنائیے۔ میں ان کو قرآن کریم سنانے کے لئے گیا تو انھوں نے بڑی شفقت کا اظہار کیا۔ اور بڑی اچھی اچھی باتیں کیں میں نے گھر آکر اپنی والدہ کو بتایا، اور والدہ نے والد سے کہا۔ آپ جائیے ایسے بزرگ اور شفیق آتے ہیں۔ ان سے ملاقات کریں۔ والد صاحب آئے اور ان سے بہت متأثر ہوئے اور کہا۔ اپنی آخرت کی درستی کے لئے میں نے اپنے بچے کو حفظ قرآن کی طرف لگایا ہے۔ آپ (حافظ ملت علیہ الرحمہ) نے مشورہ دیا۔ بچے کی تعلیم کے لئے دو چیزیں بہت ضروری ہیں۔ یا تو اس شخص سے پڑھایا جائے جس کو خود غرض ہو۔ یا وہ پڑھا سکتا ہے جس کو درد ہو۔ اور باپ سے زیادہ غرض بھی کسی کو نہیں ہو سکتی۔ اور باپ سے زیادہ درد بھی کسی کو نہیں ہوتا بہتر یہی ہے کہ آپ خود پڑھائیں۔[1]

اندازہ ہوتا ہے کہ قاری مصلح الدین صاحب علیہ الرحمہ کی عمر اس وقت آٹھ یا نو سال رہی ہوگی۔ اس وقت حضور حافظ ملت بھی جامعہ معینیہ اجمیر شریف میں مصروف درس تھے۔ اس پہلی ملاقات نے قاری مصلح الدین صاحب اور ان کے والدین کریمین کے دل میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شفقت و مروت اور اخلاص و محبت کے وہ انمٹ نقوش ثبت کئے جو تاریخ کا ایک عظیم الشان دور بن کر ابھرے۔ وہ اس طرح کہ اس کمسن بچے کے تحفیظ قرآن کا سلسلہ حافظ ملت کی ہدایات کے مطابق خود اس کے والد کے ذریعہ شروع کرا دیا گیا۔ اور پانچ سال کے عرصے میں وہ بچہ حافظ قرآن بن گیا۔ وہ کس طرح قاری صاحب خود فرماتے ہیں۔

"سال بھر میں پانچ پارہ ناظرہ استاد صاحب پڑھا دیا کرتے تھے، اور والد صاحب مجھے وہ پانچ پارے یاد کرا دیا کرتے تھے۔ اور اگلے رمضان میں استاذ مکرم (حافظ ملت) وہاں سے آتے تھے وہ سن بھی لیا کرتے تھے۔ اور اس میں جو غلطیاں ہوتی تھیں، وہ درست بھی کرا دیا کرتے تھے۔ اس طرح پانچ سال میں حفظ کر لیا۔"[2]

اس طرح ننھا مصلح الدین چودہ سال یا اس سے بھی کم عمر ہی میں حافظ قرآن بن گیا۔ اور حافظ ملت نے اس کے سر پر دستار باندھی:

"تکمیل حفظ کے بعد حضرت قاری صاحب پرائمری اسکول میں داخل کرا دیئے گئے. آپ اپنے والدین کے اکلوتے چشم و چراغ تھے۔ اس لئے وہ لوگ انھیں اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر حافظ ملت جیسے روحانی اور عرفانی

---

[1] مصلح اہلسنت، ذاتی انٹرویو، عرفان منزل مصلح الدین نمبر ص۲۱۴ ۔ ناشر دارالکتب حنفیہ کھارادر کراچی ۱۴۰۵ھ

[2] ″ ″ ″ ″ ″ ، صفحہ نمبر ۲۱۰ ۔

باغباں نے قاری صاحب کے باطن میں علوم دینیہ اور عرفان وحق شناسی کے جو بیج بو دیئے تھے اسے پروان توچڑھنا تھا۔ اسکول کی تعلیم بھی قاری صاحب نے نہایت سرعت سے حاصل کی اور اپنی ذہانت وذکاوت سے دو دو درجات ایک سال میں طے کئے تاآنکہ جماعت ہفتم میں جا پہونچے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی سرپرستی اور ہدایات کے زیرسایہ قاری صاحب نے جب تکمیل حفظ کلام اللہ کرکے درجہ ہفتم تک کی پرائمری تعلیم بھی پالی، اور اس وقت تک سن شعور کی دہلیز تک پہونچ گئے تو انھوں نے قاری صاحب کو ان کے والدین سے اپنی روحانی اور علمی فرزندی میں پروان چڑھانے کے لئے مانگ لیا۔ اس واقعہ کو قاری صاحب کی زبان ہی سے ملاحظہ کیجئے:

"استاذ مکرم کا مسلسل اصرار رہا کہ جس طرح آپ نے اپنے لڑکے کو حافظ قرآن بنایا ہے اسی طرح اسے عالم دین بھی بنائیے۔ چونکہ میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا تھا۔ اس لئے باہر بھیجنے کے لئے والدہ ماجدہ راضی نہ تھیں البتہ والد صاحب کچھ راضی تھے۔ بہرحال قسمت میں لکھا تھا۔ یہ دونوں حضرات راضی ہو گئے۔ اور میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مبارکپور اعظم گڑھ روانہ ہوا۔ اس وقت استاذ مکرم حافظ ملت مولینا عبدالعزیز مبارکپوری (علیہ الرحمہ) فارغ التحصیل ہو کر مبارک پور میں صدرالمدرسین کے عہدے پر فائز تھے اور میں نے وہاں جاکر تعلیم حاصل کی۔ اور اس تعلیم کا سلسلہ تقریباً آٹھ سال تک رہا۔" [۱]

مربی و محسن

حضرت مصلح اہلسنت کے لئے حضور حافظ ملت کی ذات محض ایک استاذ ہی کی نہیں تھی بلکہ وہ ان کے مشفق ومربی اور مرشد اولین بھی تھے اور سچ پوچھئے تو وہ ان کے لئے سب کچھ تھے۔ خود فرماتے ہیں:

"حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث مرحوم کی غلامی میں تقریباً آٹھ سال تک رہا۔ ان سے میں زیادہ متأثر ہوا۔ اس وجہ سے کہ وہ شفیق بھی تھے اور ہمارے لئے سب کچھ تھے۔ ایک شفیق باپ سے زیادہ شفقت فرماتے تھے اور انھوں نے مجھے انگریزی تعلیم سے دینی تعلیم کی طرف مائل کیا تھا ان کا خصوصی برتاؤ میرے ساتھ ہوتا تھا۔ بلکہ مجھے فخر ہے کہ انھوں نے بعض موقعوں پر یہ بھی فرمایا کہ:

"مصلح الدین تو میرا بیٹا ہے۔" [۲]

مبارکپور کے مبارک شب وروز

مصلح اہلسنت اپنے دور کے دارالعلوم اشرفیہ کے حالات اور طلبہ کی تعلیمی اور تحریکی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہیں، اور انجمن اہلسنت اشرفی دارالمطالعہ کی تاسیس کے

---

۱ مصلح اہلسنت۔ ذاتی انٹرویو۔ عرفان منزل۔ مصلح الدین نمبر ص ۲۱۸

۲ مصلح اہلسنت ۔ ص ۲۲۱ ۔ ۲۲۲

سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"وہاں (مبارکپور میں) ہم لوگوں نے طلبہ کی ایک تنظیم قائم کی جس میں ہم لوگ پیش پیش تھے۔ اس میں مفتی ظفر علی صاحب بھی تھے۔ اور عبدالستار ہمارے ساتھیوں میں سے تھے۔ تو اس تنظیم کے تحت ایک لائبریری اور دارالمطالعہ قائم کیا جس میں ہم نے بہت سی کتابیں جمع کیں۔ اللہ کے فضل وکرم سے اس کے بعد ہم نے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلوس کا سلسلہ بھی قائم کیا۔ اور وہ الحمد للہ بڑا کامیاب گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ ہمارے ساتھ ہوتے تھے۔ یہ سب طلبہ کے زیر اہتمام تھا۔"[1]

حضور حافظ ملت کا تعلیمی نظام اور طلبہ نوازی کے بارے میں مصلح اہلسنت فرماتے ہیں:

"(حضور حافظ ملت کی) تھوڑی سی خدمت کرنے کے لئے ہم بیٹھ جاتے۔ تو اس میں بھی (علمی) سوالات کرتے تھے۔ وہ (حافظ ملت علیہ الرحمہ) پر دیکھتے تھے کہ ایک طالب علم ہماری خدمت کر رہا ہے تو اس کو محروم کیوں کیا جائے۔ تو وہ دوران خدمت ہی کچھ سوالات۔ اسباق کے متعلق کر دیا کرتے تھے۔ کہ جس کو ہم نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ہم کو سمجھایا کرتے تھے۔"[2]

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ عصر کی نماز کے بعد تفریح کے وقفہ کو بھی اپنے طلبہ کی تعلیم وتربیت ہی پر خرچ کرتے تھے:

"مبارکپور میں جب تک رہے سوائے تعلیم کے اور کوئی کام نہیں تھا۔ البتہ شام کے وقت عصر کی نماز کے بعد اکثر یہ ہوتا کہ حافظ ملت تفریح کے لئے نکل جاتے۔ دو ڈھائی میل۔ تو ان کے ساتھ پیچھے پیچھے ہم بھی چلے جاتے تھے۔ راستے میں سوالات کی بوچھار کر دیا کرتے تھے۔ اور جو کتاب پڑھتے تھے تو اس میں سے بعض چیزیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ تو ان کے سوالات بھی کرتے تھے۔ حضرت تفریح کے لئے جاتے تھے۔ اور سوالات کے جوابات بھی دیئے جاتے تھے"[3]

حافظ ملت علیہ الرحمہ | طلبہ اور تبلیغی تمرین

طلبہ کو دور طالب علمی ہی میں تبلیغ و ارشاد کی تمرین پر بھی زور دیتے تھے اس طرح گرد ونواح کے علاقہ میں دین کی اشاعت کا کام بھی ہوتا تھا مصلح اہلسنت فرماتے ہیں:

"اکثر تو ایسا ہوتا کہ حافظ ملت جمعرات کو ہمیں کسی نہ کسی گاؤں میں تبلیغ کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ جمعہ بھی ہم پڑھاتے تقریر وغیرہ کرکے شام کو آجایا کرتے تھے۔"[4]

حافظ ملت کے منظورِ نظر

حافظ ملت کی شخصیت تو ایک امنڈ کر برسنے والے ابر رحمت کی طرح تھی جو ہر ایک طالب کو نہال کرتی تھی۔ مگر زمین شور تو سنبل بر آمد کرنے کے لئے بنائی ہی نہیں

---

[1] مصلح اہلسنت۔ ذاتی انٹرویو۔ عرفان منزل، مصلح الدین نمبر ص: ۲۲۰
[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ص: ۲۲۱
[3] 〃 〃 〃 〃 〃 ص: ۲۲۱
[4] 〃 〃 〃 〃 〃 ص: ۲۳۱

گئی ہے۔ بلکہ سے

صلاحیت ہو تو پیدا کر اے دل ناداں
پڑا ہے نقش کف پائے یار پتھر پر

حافظ ملت کی درسگاہ میں ایسے طلبہ چند ہی داخل ہوئے جنھوں نے خود استاذ محترم کا دل جیت لیا۔ اور ان کی خصوصی نگاہ کرم کے حقدار قرار پائے۔ مصلح اہلسنت انہیں طلبہ میں سے ایک تھے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ ان کے حق میں فرماتے۔

"کسی کو نیک اور شریف طالب علم دیکھنا ہو تو مصلح الدین کو دیکھے"۔ [1]

مصلح اہلسنت کے اساتذہ میں جن بزرگوں علماء کے اسمائے گرامی آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ
(۲) حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارکپوری علیہ الرحمہ۔
(۳) حضرت مولانا سلیمان صاحب بھاگلپوری علیہ الرحمہ۔
(۴) حضرت مولانا محمد ثناء اللہ صاحب محدث مئوی علیہ الرحمہ۔

انتہائی باادب اور محنتی

حضرت مولانا مفتی ظفر علی نعمانی سربراہ دار العلوم امجدیہ کراچی جو مصلح اہلسنت کے دور طالب علمی کے مخلص ساتھی اور گہرے دوست ہیں۔ اور بعد میں انھیں پاکستان بلوانے کی تحریک بھی انہی کی رہی مصلح اہلسنت کے ابتدائی دور کے خصائل و حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قاری صاحب انتہائی باادب واقع ہوئے تھے۔ اساتذہ تو کیا، دار العلوم کے دیگر مدرسین، جن کے پاس قاری صاحب کے اسباق کبھی نہیں ہوا کرتے تھے، اس کے باوجود قاری صاحب انتہائی عقیدت ادب اور احترام کے ساتھ ملا کرتے تھے اور ان کی تعظیم میں کبھی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے"۔

"قاری صاحب طالب علموں کے ساتھ کھیل کود میں زیادہ مشغول نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ وہ زیادہ تر تنہائی اختیار فرماتے تھے۔ اور آپ کی یہ عادت کم عمری ہی سے تھی... گوشۂ تنہائی میں زیادہ تر قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ یا مطالعہ فرمایا کرتے تھے"۔ [2]

"(قاری صاحب سے) میری ملاقات غالباً ۱۹۳۳ء میں ہوئی۔ اس وقت قاری صاحب کی اور میری عمر کوئی ۱۷-۱۸ برس ہوگی۔ دار العلوم اشرفیہ میں عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت ایسا ہوتا تھا جس میں طالب علم جسمانی ورزش کا مظاہرہ کرتے تھے اور کھیل کے میدان میں ہم لوگ جایا کرتے تھے، لیکن قبلہ قاری صاحب بہت ہی کم اور کبھی کبھی تشریف لیجاتے۔ آپ کی دلچسپی اس زمانے کا معروف فن بنوٹ کا شغف تھا اور اس فن کے ساتھ ساتھ آپ کی جسمانی ورزش بھی ہو جایا کرتی تھی، اور اس فن پر حضرت قاری صاحب کو کافی دسترس اور عبور رکھتے تھے۔ [3]

"ناگپور میں امامت و خطابت کے زمانے میں قاری صاحب کو حضرت صدر الشریعہ بقیہ ص۹۵ پر

[1] مفتی ظفر علی نعمانی، انٹرویو، عرفان منزل مصلح الدین نمبر ص: ۳۶۳
[2] " " " ص: ۳۶۴
[3] " " " ص: ۳۶۴

حافظِ ملتؒ کے بیکلؔ کی
روداد عشق وارادت

مبارک حسین مصباحی کے قلم سے

مئی سنہ ۱۹۹۱ء میں مجلہ فکر آگہی دہلی کی مدیرہ ڈاکٹر رضیہ حامد کا مکتوب دستیاب ہوا، جس میں بیکل اتساہی نمبر کی خوش خبری کے ساتھ منسلک عناوین میں کسی پر لکھنے کی دعوت بھی تھی، پہلی فرصت میں ایک مختصر مضمون بعنوان "بیکل اتساہی اپنے مرشد کی بارگاہ میں" روانہ کر دیا۔ مگر نمبر موعودہ وقت پر نہ آسکا۔ پھر بعد میں مکتوبات حافظ ملت بنام بیکل اتساہی کے حوالے سے اضافے کئے اور وہی حاصلِ مضمون بن گئے۔ مجھے یقین ہے کہ مطالعۂ حافظ ملت کا یہ رُخ بھی معلومات کے ذخیرہ میں کچھ اہم اور نئے اضافے کا باعث ہوگا۔

مصباحی

حضرت بیکل اتساہی علمی ادبی، مذہبی، اور سیاسی دنیا کی ایک ہشت پہلو شخصیت کا نام ہے اور ہر پہلو اتنا پرکشش، جاذب نظر اور دلکش کہ جس زاویہ نگاہ سے نظر ڈالئے دل ٹھنڈا، دماغ معطر، اور آنکھیں روشن ہو جائیں۔ اور جلوؤں کی تاب نہ لاکر جذبہ احساس بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ع

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

ایک خوددار مرد مسلماں، خوش خلق اور نیک سیرت انسان پھول کی پتی سے زیادہ نازک خیال، سیمابی اور آفتابی اوصاف کا سنگم، کبھی شعلہ، کبھی شبنم، ہزاروں رعنائیاں لئے ہوئے دلکش شگفتہ چہرہ، خوش پوش اور پُرجوش قائد، فلک پیما مفکر، صاحب فکر سیاستداں، آفاقی شاعر، تقریباً تمام اصناف سخن میں مکمل دست رس اچھوتا گیت کار اپنی ڈگر اپنی روش۔ اللہ اللہ ایک شخصیت اور کتنے پہلو اور ہر پہلو اپنی جگہ مکمل دبستاں، مستقل کتاب اور پُر بہار چمن۔

مگر بیکل اتساہی پہلے ایک دیندار اور خوش عقیدہ مسلمان ہیں اس کے بعد سب کچھ۔ اسی کے ساتھ آپ روحانی رہ گزر اور احسان و تصوف کی اہمیت و ضرورت سے بھی آشنا ہیں گویا آپ کے فکر و قلم کا تعلق ایک طرف اگر میخانۂ ادب و سیاست سے ہے تو دوسری طرف آپ کے قلب و وجدان کا رشتہ خانقاہ دین و تصوف سے بھی ہے اور یہ اسلام کی ایک ناقابل شکست حقیقت ہے کہ

جس زندگی کو کسی مرشد کی رہنمائی حاصل نہ ہو اس کی مثال بالکل اس آوارہ کارواں کی طرح ہے جس کا کوئی رہبر نہ ہو۔

اس عہد عیار میں کسی مرشد برحق کی تلاش کتنا مشکل امر ہے یہ کسی اہل دانش پر مخفی نہیں۔ مگر بیکل اتساہی کی جوہر شناس طبیعت اور حقیقت پسندانہ نگاہوں نے نگارخانۂ تصوف کے اس گوہر آبدار اور لعل شب افروز کو تلاش کر ہی لیا جس ملکوتی صفت خاکی وجود میں نام و نمود اور ریاکاری کا کوئی داغ نہ تھا۔ جن کی زندگی کا نفس نفس عشق و اطاعت سے لبریز تھا۔ جو شب کے عابد اور دن کے مجاہد تھے جن کی حیات آفریں زندگی کا بنیادی مقصد۔ دینی علمی فروغ اور قومی ملی عروج تھا۔ یہ تھے حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) مبارکپور اعظم گڈھ یوپی۔ متوفی ۱۹۷۶ء جن کے علم و عرفان سے آج بھی ایک عالم منور ہے۔ جن کے ہاتھوں کے لگائے ہوئے باغ فردوس (جامعہ اشرفیہ) سے آج بھی دنیا فیضیاب ہو رہی ہے۔

بیکل صاحب جب سے بیعت ہوئے انہیں کے ہو کر رہ گئے، قدم قدم پر انہیں کی رہنمائی اور انہیں کی خوشی کے متلاشی رہے اور اسی سچی عقیدت و محبت کی بدولت آپ نے اپنے مرشد سے بہت کچھ پایا۔ نہیں، بلکہ سب کچھ اسی در کی عطائیں ہیں۔ سنئے بیکل صاحب کیا فرماتے ہیں۔

"میری زندگی کی تمام کامیابیاں حضور حافظ ملت کی رہینِ منت ہیں"

اور نہ صرف اپنی بلکہ پوری قوم کی سرفرازی آپ ہی کے دینی اور علمی مشن کی تکمیل اور نظریہ فکر کی تعمیل میں سمجھتے ہیں۔ آپ نے بمبئی میں ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا:

"حضور حافظ ملت کے طریقہ کار میں قوم مسلم کی فلاح و بہبود مضمر ہے تعلیمی پسماندگی ہمارے زوال کا اصل سبب ہے۔ بالخصوص ہماری نئی نسل کا دینی شعور سے دور ہونا ایک قسم کی وبا ہے۔ جو بڑھتی جا رہی ہے ہمارا معاشرہ آئے دن نئی نئی بدعنوانیوں کی آماجگاہ بنتا جا رہا ہے"

آپ نے حافظ ملت علیہ الرحمہ کی زندگی کے شب و روز دیکھے تھے ان کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا بنظر مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے جذبات بیکل میں عقیدت سے زیادہ حقیقت جھلکتی ہے۔ مرشد کی علمی جلالت، دینی بصیرت اور فکری اصابت کی کتنی سچی تصویر کھینچی ہے۔ جذبۂ شوق کی تسکین کے لئے چند اشعار پڑھئے:

حافظ قرآں، احادیث و شریعت آشنا
حاجی الحرمین۔ انوارِ طریقت آشنا
داڑھی دوراں حجابات معیشت آشنا
ربط بزم بوحنیفہ باد شاہت آشنا
لازوال علم جس کا لاثانی جسکی ذات
لائق صد جاہ کردار لیاقت آشنا

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کا رشتہ تلمذ صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت کے واسطے سے ایک طرف امام احمد رضا سے جا ملا ہے۔ تو دوسری طرف آپ کی بیعت و خلافت کا سلسلہ خانوادۂ اشرفیہ کے واسطے سے غوث اعظم جیلانی سے جا ملا ہے بیکل اتساہی نے دونوں سلسلوں کی کتنی کیف بار ترجمانی کی ہے اس پس منظر کی روشنی میں ذیل کے اشعار پڑھئے ؎

آسمان اشرفی کا مسکراتا ماہتاب
یعنی باغ حضرت صدر شریعہ کا گلاب
وہ کہ شہر مادریت کے لئے انمول باب
یعنی بزم اعلیٰ حضرت کا چراغ لاجواب

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ صرف علم ہی کے کوہ گراں نہ تھے۔ بلکہ عمل کے جبل عظیم تھے، آپ کے ہر قول کی تصدیق عمل ہوتی تھی آپ خود فرماتے تھے میں نے اپنے استاذ سے علم کے ساتھ عمل بھی پڑھا ہے آپ دنیاداری کی حرص و طمع سے اجتناب اور زہد و تقویٰ اور طریقت و معرفت کے اس منصب بلند پر فائز

سکتے کہ آپ کے عہد میں اس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور تھی حیات حافظ ملت کا یہی وہ تابناک رخ اور جلوہ زیبا تھا۔ جس نے بیکل اتساہی کی نگاہوں کو خیرہ ہی نہیں کیا بلکہ دامن دل بھی انہیں کے حوالے کر دیا، حیات حافظ ملت کا یہ باب تو بڑا تفصیل طلب اور شوق افزا ہے جس کی گنجائش نہیں ہاں اس حوالے سے احساسات بیکل کی آواز سنئے: ؎

قناعت جس پہ کرتی ناز تقویٰ جس کا شیدائی
ہزاروں محفلوں پر بھاری جس کی ایک تنہائی
چلن سادہ مزاجی سادگی کو بانکپن دیکھے
لباس وہ ایسا کہ حسن کی خوبی کو ہر پیرہن دیکھے
حق شناسا۔ حق نگہ۔ حق گر۔ حقیقت آشنا
حامل صبر و رضا۔ فقر و قناعت آشنا

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ علم و فضل، زہد و تقویٰ کی سرفرازیوں کے ساتھ ذاتی محاسن و کمالات کے ایک جہاں پُر بہار تھے، چہرہ میں شب زندہ داری کی نورانیت، ہم کلامی میں دلکشی، خاموشی میں وقار و طمانیت، تابندہ پیشانی، بار حیا سے نگاہیں جھکی ہوئیں بلکہ پورا وجود ناز مومنانہ حسن و کمال کا پیکر اور احسن تقویم کی زندہ جاوید تصویر بیکل اتساہی نے اپنے مرشد کی اس رخ سے بڑی سچی تصویر کھینچی ہے کمال شوق سے چند اشعار پڑھئے: ؎

وہ گفتگو کہ ہر اک لبو آگہی کی طرح
وہ خامشی کہ ہر اک لمحہ زندگی کی طرح
نظر کسی پہ پڑی ہے تو روشنی کی طرح
جو لب کھلے تو گلابوں کی تازگی کی طرح

جبیں پہ نور کا تڑکا حسیں سویرا تھا
یہ زیر مژگاں تدبر کا بھی بسیرا تھا

وہ فقر جس کو شہنشاہیت سلام کرے
وہ شخصیت کہ حکومت بھی احترام کرے

بلا شبہ حافظ ملت ایک جامع صفات شخصیت تھے۔ دیگر بے شمار اوصاف کے حامل ہونے کے ساتھ آپ ایک عظیم مصلح اور بلند نگاہ معمار بھی تھے۔ دینی اور علمی فروغ ان کی زندگی کا بنیادی مقصد تھا۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کی بنا بھی رکھی۔ اور پوری زندگی اس کی تعمیر و ترقی کے لئے وقف کر دی۔ آج یہ عالم اسلام کی مثالی درسگاہ ہے، جس کے فارغین پوری دنیا میں علم و فضل کی خدمات انجام دے رہے ہیں بیکل اتساہی نے اپنے مرشد کے مشن کی تکمیل میں بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ جس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ اس درسگاہ کے لئے آپ نے کئی نظمیں سپرد قلم کی ہیں چند فکر انگیز اشعار پڑھیئے ؎

یہ گلستاں قوم و ملت کی بہار و کلی حیات
اس گلستاں کا تقدس عاشقوں کی کائنات

اس چمن کو مرے آقا کا مشن کہتے ہیں
پیار کی دھرتی تو شفقت کا گگن کہتے ہیں

اس کو اخلاق و محبت کا وطن کہتے ہیں
علم ہے روح اسے اس کا بدن کہتے ہیں

اس کو سب حافظ ملت کا چمن کہتے ہیں
تشنگان علم دین کی پیاس بجھتی ہے یہاں
عشق مصطفوی کا چلتا ہے یہیں سے کارواں

وقت کے آنگن میں جب اتری ہے غم کی تیز دھوپ
اس کے سائے میں رہا انسانیت کا رنگ و روپ

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حسن اخلاق اور عوام و خواص سے شفقت و محبت کا عالم بھی عجیب تھا کبھی کبھی اولاد کے درمیان بھی شفقت پدری غیر متوازن ہو جاتی ہے مگر حافظ ملت کا اپنے وابستگان اور تلامذہ سے رشتہ شفقت اتنا حیرت انگیز اور قابل صد رشک تھا، کہ ہر شخص اس خیال میں مگن رہتا کہ حضرت مجھ ہی کو زیادہ چاہتے ہیں۔ بلا شبہ یہ کمال صرف حافظ ملت کی شفقت ہی کا نہیں ذہانت و تدبر کا بھی ہے بیکل اتساہی صاحب بھی اس جذبہ میں پیش پیش نظر آتے ہیں اور یہ صرف بیکل صاحب کی خوش عقیدگی ہی نہ تھی بلکہ اس کے پیچھے مجسم حقیقت جلوہ گر تھی اور اس مدعا کے بے شمار دلائل میرے سامنے ہیں۔ منقبت "سلسلہ ٹوٹے نہیں" کے یہ اشعار دیکھئے الفاظ سے کہیں زیادہ ضمیر کی آواز بلند ہو گئی۔ کیا لکھوں؛

تھا جو میری زیست کا ساماں نہ رہا
جس کے دم سے تھا مرے گھر میں چراغاں نہ رہا
شوکت غنچہ و گل، حسن گلستاں نہ رہا
ناز تفسیر و فقہ، حافظ قرآں نہ رہا

پھر آگے لکھتے ہیں: ؎

پھر چمن وہ کہ دل سوگوار پوچھے ہے
ہر اک سے یہ بھی ہر اک بیقرار پوچھے ہے
دور حاضر کا یہ اترا ہوا چہرہ کیوں ہے
آج ہر آنکھ پہ اشکوں کا پہرہ کیوں ہے
اپنے گلشن سے یہ مالی بھلا روٹھا کیوں ہے
چہرہ غنچہ و گل پر یہ دھندلکا کیوں ہے

آج تقدیر کے ماتھے پہ پسینہ کیوں ہے
آج روٹھی ہوئی تقدیر منانے نکلوں

بلا نوٹ سفر حرمین کی ممانعت کے باوجود آپ نے بلا نوٹ حج و زیارت کی ادائے گی فرمائی۔ اس عہد بلاخیز میں یہ آپ ہی کے تقوے کا حصہ تھا۔ اور اس راہ میں درپیش مسائل میں بیکل صاحب نے بڑا تاریخی اور کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ جس کی تفصیل حضرت مولانا اسلم مصباحی صاحب نے ماہنامہ اشرفیہ کے حافظ ملت نمبر میں نوٹ فرمائی ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کو اس سفر حجاز میں بیکل صاحب کی معیت کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔ اور اس دوران آپ نے بہت سے نادر اور قوی واقعات ملاحظہ کئے۔ جن کے انکشاف سے حافظ ملت نے انکار فرما دیا تھا۔ ادارہ تحقیقات حافظ ملت کے زیر اہتمام حافظ ملت سیمنار منعقدہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۹۱ء کیلئے راقم السطور نے موصوف سے مقالہ تحریر فرمانے کی درخواست کی تو درج ذیل جواب عنایت فرمایا۔

بیکل نواز سلام و نیاز

وہ حکم نامہ بڑا مہورتے ہوتا ہوا آج یہاں پہنچا حضرت سیدی۔ مرشدی پر ادارہ تحقیقات حافظ ملت نے کام شروع کر دیا یہ معلوم کر کے روحانی مسرت ہوئی اور قلبی تسکین بھی سفر حرمین میں کفش برداری کا شرف حاصل کر چکا ہوں۔ جسے اشرفیہ حافظ ملت نمبر میں مولانا اسلم بستوی نے پیش کر دیا ہے۔ میں حضرت کی خدمت اقدس میں اکثر رہا ہوں۔ بہت سی باتیں ہمیں حضرت نے لکھنے اور کہنے سے روکا تھا۔ اب اگر ہمارے علما اور فقہا اجازت دیں تو کاغذ پر لایا جائے میں اکثر مصروف رہتا ہوں۔ جلد کسی قلم کار کو بیٹھا کر ساری باتیں نوٹ کرا کے ایک الگ سے موضوع قائم کیا جا سکتا ہے عرس اقدس تک تکمیل مشکل ہے۔ پھر بھی میری کوشش ہوگی مخصوص وقتوں میں دعائیں فرماتے رہیں۔

آپ کا

بیکل اتساہی عزیزی غفر لہ۔

واضح رہے کہ تعلق و وابستگی صرف ایک ہی طرف کا نہ تھا۔ بلکہ حافظ ملت علیہ الرحمہ بھی بیکل صاحب کو جان و دل سے مانتے تھے۔ قدم قدم پر رہنمائی فرماتے تھے۔ غم کے مواقع پر صبر و شکر کی تلقین فرماتے تھے خوشیوں کے وقت مبارکباد دیوں اور دعاؤں سے نوازتے تھے اور ہر مشکل مرحلہ میں روحانی علاج بھی فرماتے اور مفید مشوروں سے بھی نوازتے۔ اس پس منظر کی روشنی میں بیکل اتساہی کے نام حضرت حافظ ملت کے چند مکتوبات پڑھئے۔

حضرت بیکل اتساہی نے اپنے دورہ افریقہ کے موقع پر حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں افریقہ سے خیریت نامہ ارسال کیا۔ اس کے بعد حضور حافظ ملت نے جواب سے سرفراز فرمایا۔ جواب مبارکبادیوں، دعاؤں اور بزرگانہ شفقتوں کا مرقع۔ اور جامعہ اشرفیہ کی فلک پیما سرگرمیوں کی روداد کا حسین مجموعہ ہے۔ خط کے مختصر اور جامع ہونے کے باوجود سطر سطر سے زبان و ادب کا بانکپن اور لفظ لفظ سے اثر انگیزی پھوٹی پڑتی ہے۔ مکتوب ملاحظہ فرمائیے۔

۷۸۶

از اشرفیہ مبارکپور
۱۲ر ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

مکرم و محترم صاحب الفضل والحشم
جناب بیکل صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

مزاج شریف؛

آپ کا خط اور خیریت سے افریقہ پہونچنے کا تار بھی ملا، بخیریت افریقہ پہونچنے سے خوشی ہوئی۔ مولائے نعیم و غافر آپ کے اس سفر کو مبارک کرے۔ قوم و ملت مذہب اہل سنت کے لئے مفید ثابت ہو۔ آپ کے جذبات صادقہ

اور دین پروری ، مخلصانہ قومی مسلکی جماعتی ہمدردی سے قوی امید ہے کہ آپ کا یہ سفر ملک وملت اور مذہب اہلسنت کے لئے ضرور مفید ثابت ہوگا۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر بڑی خوبی اور تیزی سے جاری ہے مارکیٹ بھی جلد تیار ہوجائے گا۔ اور دار الاقامہ "ہوسٹل" کی ایک منزل قریب تیاری کے ہے سلیب لگ گیا۔ انشاء اللہ دوسری منزل کا کام شروع ہونے والا ہے۔

اس وقت مبارکپور ہی تعمیری چندہ ہو رہا ہے۔ غریب مسلمان بڑی دلچسپی سے حصہ لے رہے ہیں۔ اپنی بساط سے زیادہ چندہ دے رہے ہیں۔ چندہ کا منظر قابل دید ہوتا ہے۔ ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے خوش الحان نعت خواں اپنی نعت خوانی اور جوشیلی نظموں سے جذبات میں طلاطم پیدا کر دیتے ہیں۔

دعا فرمائیں مولی تعالیٰ زیادہ سے زیادہ کامیاب فرمائے آمین۔

اراکین دار العلوم و مدرسین کی طرف سے سلام مسنون۔ فقط

عبد العزیز عفی عنہ

اب ذیل میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا دوسرا مکتوب گرامی ملاحظہ فرمائیے۔ یہ مکتوب حضرت بیکل اتساہی کے فرزند سعید کی پیدائش کے موقع پر بطور تہنیت نامہ ہے۔ ایسے مبارک و پر مسرت موقع پر ایک انسان اپنے بڑوں سے جس چیز کی توقع اور خواہش کر سکتا ہے۔ اس خط میں وہ سب کچھ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ حرف حرف سے فرحت و شادمانی کے آثار نمایاں ہیں۔ حفظ و امان اور درازی عمر کی دعاؤں کا بھی خاصہ ذخیرہ ہے مکتوب ملاحظہ فرمایئے:

از اشرفیہ مبارکپور

مکرم و محترم

حضرت بیکل زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمتہ

مزاج شریف!

اس سے قبل اپنی خیریت کا خط اسی پتہ پر روانہ کیا ہے ملا ہوگا۔ آج تہنیت نامہ حاضر ہے۔ فرزند سعید کی ولادت مبارکباد۔ مولائے کریم کا بے شمار شکر و احسان اس کے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے کہ آپ کو فرزند عطا فرمایا۔ خداوند قدوس اس نور چشم کو عمر خضری و طالع اسکندری عطا فرمائے علم و عمل کی لازوال دولت سے سرفراز فرمائے۔ آپ کے گھر کا روشن چراغ بنائے۔ اپنی حفاظت وحمایت کے ظل کرم میں پروان چڑھائے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

مکان کے پتہ پر بھی دعا نامہ اور تعویذ روانہ کر دیا گیا آپ کو جملہ احباب واعزا کو اشرفیہ کے پورے اسٹاف کی طرف سے مبارکباد وسلام مسنون اپنی خیریت وحالات دکوائف سے مطلع فرماتے رہیں۔

والسلام۔

عبد العزیز عفی عنہ

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

میں عرض کر چکا ہوں کہ غم ہو یا خوشی ہر موقع پر بیکل اتساہی اپنے مرشد وغمخوار سے فریاد کرتے

ہوئے نظر آتے ہیں۔ احوال دل بھی
سناتے ہیں اور جسمانی اصلاح بھی
چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی حاسد و
دشمن نے حضرت بیکل صاحب کو
کوئی ضرر رساں چیز کھلادی جس کا
دل و دماغ اور صحت پر بڑا برا اثر
پڑا۔ اس کی اطلاع جب حضور حافظ
ملت کو ملی تو بے چین و مضطرب
ہو گئے۔ اور ایک حکیم و مرشد کی
حیثیت سے ایک مکتوب تحریر فرمایا۔
جس میں روحانی علاج کے ساتھ جسمانی
اصلاح کا سامان بھی اور سفر و حضر
میں بڑی احتیاط سے رہنے کا درس
بھی۔ اس پس منظر کی روشنی میں
حضور حافظ ملت کا ہمدردانہ اور
حکیمانہ مکتوب ملاحظہ فرمایئے:

☆

مورخہ ۲۹ ر نومبر ۱۹۶۶ء

مکرم و محترم: حضرت بیکل صاحب
سلمکم اللہ تعالیٰ
وحفظکم عن
شرور الحاسدین
والمعاندین
دعوات وافرہ
متکاثرہ متزائدہ
وسلام مسنون۔
نامہ صادر ہوا آپ کی
تکلیف سے اور پریشان
کن علالت سے صدمہ
ہوا۔ خداوند کریم نے
شفا دی اس کا شکر و
احسان ہے۔ فللہ
الحمد والمنہ
پینے والا تعویذ روانہ
ہے باوضو درود شریف
پڑھتے ہوئے نشان
سے کاٹ کر موڑ کر
رکھیں۔ اور بترکیب
خاص روزانہ ایک
تعویذ حل کردہ قدرے
آب زم زم کے ساتھ
پیتے رہیں۔ انشاء المولیٰ
القدیر سارا اثر زائل
ہو جائے گا اور زہر
گھل جائے گا۔
آمین بجاہ حبیبہ
سید المرسلین
اب آپ کو احتیاط
ضروری ہے۔ فی زمانہ
دوستی کے پردہ میں
دشمنی ہوتی ہے۔ ہر
کھانے پینے کی چیز بڑی
احتیاط و تحقیق سے
استعمال کی جائے۔
ہر چیز کھانے پینے
سے پہلے حتی کہ پان
سے بھی پہلے۔
بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ
لَا یَضُرُّ مَعَ
اِسْمِهٖ شَیْءٌ
فِی الْاَرْضِ وَلَا
فِی السَّمَاءِ وَهُوَ
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ،
ضرور پڑھ لیا
کریں ناغہ نہ کریں۔
اور روزانہ صبح و
شام یہ حصار ضرور
کر لیا کریں۔ ۷ بار
آیۃ الکرسی اس طرح
پڑھیں کہ پہلی بار اپنے
جسم پر دم کریں اور
۶ بار شش جہت میں
دم کردیں اور سوتے
وقت تین بار آیۃ الکرسی
اور تین بار چاروں
قل پڑھ کر اپنے پورے
جسم پر دم کر لیا کریں
دونوں ہاتھوں پر دم
کرکے سارے جسم پر
ہاتھ پھیر لیا کریں...
احباب کو سلام
بچوں کو دعا و پیار
فقط
عبدالعزیز عفی عنہ

مندرجہ بالا مکتوب گرامی
بلاشبہ روحانی اور جسمانی صحتیابی
کے لئے دو آتشہ نسخۂ کیمیا تھا۔
حضرت بیکل صاحب کی علالت کے
موقع پر تحریر کردہ ایک دوسرا
مکتوب گرامی بھی دیکھئے۔

☆

۱۸ ر رجب ۱۳۹۰ھ

مکرم و محترم جناب بیکل صاحب
زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ
مزاج شریف!
آپ کی علالت
معلوم ہو کر بہت
افسوس ہوا، خداوند
کریم شفا کامل عاجل
عطا فرمائے، جلد صحت
دے، پوری صحت دے

قوت و توانائی عطا فرمائے۔ ہمیشہ بصحت وسلامتی شاد آباد رکھے آمین۔

پینے والا تعویذ روانہ ہے۔ بترکیب خاص استعمال کریں۔ انشاء المولیٰ القدیر جلد صحت ہوگی۔ باوضو پانی میں حل کرکے قدرے آب زم زم شامل کرکے روزانہ ایک تعویذ استعمال کریں۔ شہد یا مناسب شربت بھی شامل کرسکتے ہیں۔

عبدالعزیز

بیکل اتساہی کے نام دعا اور دوا پر مشتمل حضور حافظ ملت کا ایک گرانقدر کرم نامہ اور ملاحظہ فرمائیے۔

۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء

محب محترم دام المجد والکرم

جناب بیکل صاحب زید مجدکم

دعائے خیر وسلام مسنون!

خط ملا رنجیت سنگھ کا روانہ کردہ تار بھی ملا، آپ کی علالت سے بے حد افسوس ہوا مولائے کریم نے شفا عطا فرمادی ہو۔ خداوند کریم ہمیشہ بصحت و سلامت اپنی حفاظت و حمایت میں شاد و آباد رکھے آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

پینے والے تین تعویذ مسلسل تین روز باوضو پانی میں حل کرکے قدرے آب زم زم شامل کرکے مع کاغذ کے نہار منہ پئیں۔ اس میں شربت انار وغیرہ شامل کرسکتے ہیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ تین ہی روز میں صحت ہوجائے گی۔ صحت کا خیال زیادہ رکھیں احتیاط بھی رکھیں۔

پانچ بادام اور پانچ منقی اور تین سیاہ مرچ سوتے وقت خوب چبا کر کھالیا کریں۔ اس پر مداومت کی جائے بار دوا المسک وغیرہ طبیعت کے مناسب کسی طبیب کی رائے سے استعمال کریں۔ اہلیہ محترمہ کی طبیعت کا حال تحریر کریں۔ سب کو سلام دعا بچوں کو دعا و پیار فقط۔

عبدالعزیز عفی عنہ

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ مرجع عوام و خواص تھے۔ بیکل صاحب کی طرح کتنے ہی افراد اپنے ذاتی اور دینی و ملی مسائل میں حضرت ہی کی بارگاہ میں استغاثہ کرتے تھے میں یہاں اس کی تفصیل سپرد قلم نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی اس کا موقع ہے۔ مجھے حضرت بیکل کے تعلق سے عرض یہ کرنا ہے کہ بیکل جیسی مقبول ترین شاعر اور دوررس فائد ہونے کی وجہ سے انتہائی معروف اور بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسلئے لوگ بیکل صاحب سے متعلق اپنے کاموں اور پروگراموں کے سلسلہ میں بجائے بیکل صاحب کے حضرت سے درخواست کرتے۔ کیونکہ باہم گہری وابستگی اور تعلق خاطر کے پیش نظر انھیں یقین ہوتا کہ اگر حضرت فرمادیں گے تو صرف کام ہوجائے گا بلکہ بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہونچ جائیگا۔

اس پس منظر کی روشنی میں ذیل میں ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیے:

۱۳ رجب ۱۳۹۰ھ

مکرم و محترم جناب بیکل صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ

مزاج شریف:

بفضلہ تعالیٰ بخیر رہ کر آپ کی صحت و سلامتی کے لئے دعا خیر کرتا ہوں۔ عزیز مکرم جناب سیٹھ محمد حسین صاحب آپ کی ملاقات کو حاضر ہیں۔ ان کو اسی سال بارگاہ رسالت میں حاضری دینا ہے۔۔۔ درخواست نا منظور ہوکر

واپس آگئی ہے۔
اس کا سخت صدمہ ہے
اس سلسلہ میں آپ
کا تعاون درکار ہے
جس طرح ہو ان کی
دوستوں کا آپ
حتی الامکان انتظام
کرا دیں تو میری خوشی
ومسرت کا باعث ہے
مولائے کریم آپ کو
جزا ار خیر عطا فرمائے
آمین۔ احباب کو سلام
ودعا بچوں کو دعا ار
پیار۔ فقط۔
عبدالعزیز عفی عنہ
جلسوں میں شرکت کے لئے
ذیل میں دو سفارشی مکتوب ملاحظہ
فرمایئے:

از دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ
مکرم ومحترم
جناب بیکل صاحب زید مجدکم:
السلام علیکم ورحمۃ۔
مزاج شریف:
جمشید پور بزم عزیزیہ
امجدیہ سے گیارہویں
شریف کے اجلاس کی
دعوت میں نے اور
حضرت مفتی صاحب نے
منظور کر لی ہے۔ آپکو
بھی مدعو کیا ہے۔ مجھے
سفارشی خط لکھنے کیلئے
تحریر کیا ہے۔ اگر آپ
کے پاس وقت ہو تو
آپ بھی دعوت منظور
کرلیں اور تشریف
لائیں۔ میں انشاءاللہ
تعالیٰ ۹ ربیع الثانی
دہرہ اکسپریس سے
روانہ ہوکر ۱۰ ربیع الثانی
جمعہ کو ۱۰ بجے کی
ٹرین سے ٹاٹا پہنچونگا
مفتی صاحب ہمراہ
رہیں گے۔
احباب خصوصی کو
بمضمون واحد سلام
ودعا۔
عبدالعزیز عفی عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

اسی مضمون کا ایک مکتوب
اور ملاحظہ فرمایئے:
از کچھوچھہ مقدسہ
۱۷ رجب ۱۳۹۰ھ
مکرم ومحترم جناب بیکل صاحب
زید مجدکم
ادعیہ وافرہ
متکاثرہ وسلام
مسنون۔
آج یہ دعا نامہ
کچھوچھہ مقدسہ سے
لکھ رہا ہوں حضرت
محدث صاحب قبلہ
علیہ الرحمۃ کے
عرس شریف میں
حاضر ہوا۔ جناب
فاروق صاحب
سکریٹری مدرسہ
فاروقیہ بنارس
بھی تشریف لائے
بنارس میں مدرسہ
فاروقیہ وحمیدیہ رضویہ
دونوں ایک ہوکر
ایک ہی سالانہ جلسہ
کر رہے ہیں۔ جس کی
تاریخ ۱۸ ر ۱۹ ر اکتوبر
بروز شنبہ یکشنبہ ہے
اراکین جلسہ کی دلی
تمنا ہے کہ آپ شریک
اجلاس ہوں۔ پہلے
اجلاس میں انشاءاللہ
تعالیٰ میں بھی شرکت
کروں گا اگر آپ
کے پاس وقت ہو تو
آپ بھی تشریف
لائیں اگرچہ پہلے ہی
اجلاس میں تشریف
لائیں۔
جناب فاروق صاحب
بمضمون واحد سلام
پیش کرتے ہیں۔
عبدالعزیز عفی عنہ۔

آہ! حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ
والرضوان کے اس ظاہر ہیں دنیا
سے رحلت کے موقع پر پوری جماعت
اہلسنت سوگوار اور ماتم کناں تھی۔
ہر طرف سے بے سائیگی اور یتیمی کا
احساس ابھر رہا تھا۔ پورا ماحول
ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ اس موقع
پر حضرت بیکل کی بیکلی کا عالم کتنا
غم انگیز ہوگا۔ یہ بتانے کی ضرورت

نہیں۔ درد و کرب میں ڈوبا ہوا ایک نثر پارہ ملاحظہ فرمائیے:

"آقائی، ملجائی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی فقط ایک ذات ہے۔ جو محبت و اخوت، امن و آشتی کی علامت اور کاروان قوم و ملت کا نشان منزل تھی۔ انکی رحلت نے جہاں پوری قوم و ملت کو سوگوار کیا وہاں اس ناتواں کو بھی ایک ناقابل برداشت غم زیر بار کر دیا۔"

یہی احساسات بصورت نظم ملاحظہ فرمائیے ایک ایک مصرع اتنا الم انگیز اور موثر کن ہے گویا کہ لفظوں کے پیرہن میں ضمیر و وجدان کے جذبات اتر آئے ہیں۔

کیا لکھوں؟

تھا جو میری زیست کا ساماں نہ رہا
جسکے دم سے ہمارے گھر میں چراغاں نہ رہا
کچھ بھی سوجھائی نہیں دیتا مجھکو
وہ اندھیرا ہے کہ اب کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا مجھکو
دل گر کہتا ہے کچھ خود کو سنبھالوں تو لکھوں۔
وہ دھن کا دھنی، باتوں کا غنی وہ عزم کا اب حاصل ہی نہیں
ماضی کی تجلی، حال کی ضو۔ وہ مشعل مستقبل ہی نہیں
وہ جہد مسلسل کا غازی وہ فاتح شہر دل ہی نہیں
کس راہ چلوں کس کھو روکوں اب جیسے کوئی منزل ہی نہیں

یہ سچ ہے کہ بیکل صاحب کے ماوی و ملجیٰ حضور حافظ ملت ظاہری دنیا سے تشریف لے گئے۔ مگر بیکل جیسا حال دل آج بھی آپ ہی کی بارگاہ میں سناتے ہیں اور مشکلات میں استغاثہ کرتے ہیں۔ حسن اتفاق کہ میں اپنے اس مضمون کا آخری حصہ سپرد قلم کر رہا تھا کہ اسی دوران حضرت بیکل صاحب کا ایک مکتوب راقم کے نام موصول ہوا۔ جس کا ایک پیراگراف موقع کی مناسبت سے قابل ذکر اور لائق استشہاد ہے۔ مکتوب ملاحظہ فرمائیے۔

⁂

نئی دہلی ۲۶ر اگست ۱۹۹۲ء

عزیز گرامی قدر

خلوص فراواں

"ایک عرصہ کے بعد محفل اشرفیہ میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کی جسارت کر رہا ہوں ......
بتاؤ ان دنوں اشرفیہ کا کیا حال ہے۔ حضرت عزیز ملت کہاں ہیں۔ ان کے کیا پروگرام ہیں۔ ربیع الاول میں کہاں کہاں رہیں گے جی تو چاہتا ہے کہ آستانے پر حاضری دوں۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آستانے سے بلاوا ہی نہیں۔ آستانے پر جاؤ اور ہمارا استغاثہ پیش کر دو۔ حضور توجہ فرمائیں ہم ان دنوں کئی وجوہات کی بنا پر ذہنی انتشار میں مبتلا ہیں.....
خدا کرے آپ سبھی بعافیت ہوں، حالات سے ضرور آگاہ کرو
علمائے ادارہ کی خدمات میں سلام و نیاز۔

اسیر خلوص
حضرت بیکل اتساہی

جب فراق مرشد کی تاب نہ لا سکے تو مرقد حافظ ملت پر بصد ادب و نیاز حاضر ہوئے اور جدائی کا نغمۂ غم اور حال دل سنانے لگے۔

میرے آقا میرے سیدی مرشدی اک ذرا دیر چلمن ہٹا دیجئے
پھر دیدار آئے غلام آپ کے ایک نوری جھلک پھر دکھا دیجئے

لائے ہیں اشک آنکھوں میں، سینے میں غم اب خدا کیلئے ہو نگاہ کرم
ہر طرف ہے اندھیرا بھٹکتے ہیں ہم روشنی کے لئے مسکرا دیجئے

آپ کے باغ میں پھر بہار آئی ہے رنگ و بو کی عزیزی گھٹا چھائی ہے
غنچہ و گل میں تازہ نئی رعنائی ہے ماہ و خورشید ان کو بنا دیجئے

بیکل اتساہی

سیتامڑھی کے دورے سے واپس آنے کے بعد

علامہ ارشد القادری کا بیان

فساد کے سلسلے میں بی جے پی ملوث، انتظامیہ مجرم اور وزیر اعلیٰ کا کردار قابل تحسین!

سیتامڑھی کے فساد زدہ علاقے کا دورہ کر کے واپس آنے کے بعد ادارہ شرعیہ بہار کے سربراہ علامہ ارشد القادری نے ایک پریس ریلیز میں کہا ہے کہ فسادات کی تاریخ میں یہ بالکل پہلا واقعہ ہے کہ خود مظلومین نے وزیر اعلیٰ لالو پرشاد کے کردار کی تعریف کی ہے۔ لوگوں نے یہاں تک ہمیں بتایا کہ بی جے پی کے لیڈروں اور بلوائیوں کے ساتھ مقامی انتظامیہ کی سازش اتنی خفیہ اور منظم تھی کہ اگر عین وقت پر وزیر اعلیٰ نے چوکسی سے کام نہ لیا ہوتا تو یہ پورا خطہ دوسرا بھاگلپور بن جاتا۔

دس، پندرہ کلومیٹر کے وسیع رقبے میں اچانک پھیل جانے والے فسادات پر دو دن میں قابو پالینا وزیر اعلیٰ کا اتنا عجیب وغریب کارنامہ ہے جس کی ابتک کوئی مثال ہماری نظر سے نہیں گزری۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وزیر اعلیٰ کسی کرکٹ ہاؤس یا ڈاک بنگلے میں بیٹھ کر اپنے افسروں پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود فیلڈ میں پہونچ گئے۔ لوگوں نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ وزیر اعلیٰ نے جادو برادری کے لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ ہم نے تمہیں اقلیتی فرقے کا محافظ بنایا تھا لیکن تم نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے ہمارا سر جھکا دیا۔

علامہ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جن بستیوں میں مسلمان قلت تعداد کے باوجود مقابلے پر ڈاٹ گئے وہ بستی جلنے اور لٹنے سے محفوظ رہی۔ اس سلسلے میں رغیا چک اور چنڈ بہا کا نام فخر کے ساتھ لیا جاسکتا ہے جہاں صرف پچیس مسلمانوں نے ایک ہزار بلوائیوں کو پیچھے ڈھکیل دیا۔ اس واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ ایمان ویقین کی قوت ساری قوتوں پر بھاری ہے۔ ایسے موقع پر ہر جگہ ہمیں اسی قوت سے کام لینا چاہئے فساد کے اسباب وطریقہ کار پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ نے بتایا کہ یہ فساد انتظامیہ اور بی جے پی کے لیڈروں کی مشترک سازش سے منظم طریقہ پر ہوا تاکہ لالو پرساد کی حکومت کو بدنام کیا جائے۔ فساد کرانے کے لئے سب سے پہلے دور تک دیہی علاقوں میں یہ افواہ پھیلائی گئی کہ سیتامڑھی ٹاؤن میں مسلمانوں نے مورتیوں کو جلایا اور ان کے سرون کو کاٹ دیا ہے۔ جب پورا علاقہ گرم ہو گیا تو سب سے پہلے شہر کے قریب کے ایک گاؤں سے نعرے کا آغاز ہوا پھر بیک وقت دس پندرہ کلومیٹر کے وسیع رقبے میں ہر طرف نعرے گونجنے لگے اور ایک ہی وقت میں ہر جگہ فساد شروع ہو گیا۔ یہ نعرے فساد شروع کرنے کے لئے سگنل کے طور پر استعمال کئے گئے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ساری کاروائی منصوبہ بند طریقے پر ہوئی۔

ادارہ کے سربراہ علامہ ارشد القادری نے اس نکتہ پر زور دیتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کے خلاف

بالکل یک طرفہ تھا جس کا زندہ ثبوت
یہ ہے کہ دیہی علاقے میں نہ کسی ہندو
کا گھر جلا اور نہ مسلمان کے ہاتھ سے
کوئی ہندو زخمی ہوا۔ یہاں تک کہ
مسلم آبادی میں جہاں ہندو کا ایک
گھر تھا وہ بھی پوری طرح محفوظ رہا۔
مجھورا نامی گاؤں میں ایک ہندو
دھوبی نے مجھے بتایا کہ مسلمان کا گھر
سمجھ کر بلوائیوں نے میرا گھر بھی جلا دیا
بی جے پی کے مقامی لیڈروں نے
جب مجھ سے کہا کہ تم کسی مسلمان کا نام
بتا دو تو میں نے انہیں جواب دیا کہ
میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ مسلمان کا
گھر سمجھ کر آپ ہی لوگوں نے میرا گھر
جلایا۔

اپنا بیان ختم کرتے ہوئے
حکومت کی طرف سے مظلومین کے لئے
راحت رسانی کے کام پر تبصرہ کرتے
ہوئے علامہ نے کہا کہ وزیر اعلیٰ کا
انتظام اگرچہ اطمینان بخش ہے لیکن
نیچے کے لوگوں پر یہ اعتماد کرنا بہت
مشکل ہے کہ وہ دیانتداری کے ساتھ
وزیر اعلیٰ کے احکام و ہدایات پر
عمل کرتے ہوں گے۔ اس سلسلے میں
علامہ نے اقلیتی امور کے لائق و فائق
وزیر جناب منا مشتاق کی خدمات
کو سراہتے ہوئے ان سے یہ توقع ظاہر
کی ہے کہ وہ راحت رسانی کے کاموں
کا جائزہ لینے کے لئے ایک بار پھر
وزیر اعلیٰ کو وہاں لیجانے کی زحمت
فرمائیں گے۔

اخیر میں علامہ نے وزیر اعلیٰ
کی اس حکمت عملی کی تعریف کی کہ ہر گاؤں
کے اجڑے ہوئے لوگوں کو اسی گاؤں
میں رکھا اور وہیں انہیں ہر طرح کی
سہولت بہم پہنچائی اس طریقہ کار
سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ ان کے
کھیت، ان کے باغات، اور ان کے
جانور وغیرہ محفوظ ہو گئے اور دوسرا
فائدہ یہ ہوا کہ کسی کیمپ میں پناہ
گزین ہونے کے احساس کی تکلیف
سے وہ بچ ہو گئے۔

منقبت

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان

نتیجۂ فکر بدر اشرفی محمد آباد گوہنہ

الجامعۃ الاشرفیہ حافظ ملت
ہے آپکی محنت کا صلہ حافظ ملت

تھے راہبر دین خدا حافظ ملت
دیتے رہے منزل کا پتہ حافظ ملت

فرمان نبوت کے تقاضے کا بخوبی
کرتے رہے حق آپ ادا حافظ ملت

نیرنگئ عالم سے رہے دور ہمیشہ
درویش صفت تھے بخدا حافظ ملت

احکام شریعت پہ سدا آپ تھے عامل
ہر ایک کو ہے اسکا پتہ حافظ ملت

آیا جو طلب دل میں لئے علم کی اس کو
ہے آپ نے سیراب کیا حافظ ملت

انوار میں ڈوبا ہوا وہ آپ کا مرقد
مرجع ہے خلائق کا بنا حافظ ملت

کیوں بدر نہ ہو آپ کا منت کش احساں
دی آپ نے تعلیم وفا حافظ ملت

(بقیہ صفحہ ۷)

مجاہدین و مبلغین کا اعلیٰ دستہ
حیات انسانی کے مختلف گوشوں
میں حسن کارکردگی کا بہتر ثبوت
دے سکے اور آج بھی ان آنکھوں
سے اگر نفرت و تعصب کی عینک
ہٹا کر دیکھا جائے تو یہ بات روز روشن
کی طرح واضح ہو جائے گی۔ ہندو
پاک کے علاوہ دنیا کے بیشتر ممالک
میں الجامعۃ الاشرفیہ کے فارغین نے
اپنے علم و فن کا لوہا منوا لیا ہے اور
ہر میدان میں وہ کارہائے نمایاں انجام
دیا ہے جس کی نظیر بڑے سے بڑا
ادارہ بھی پیش کرنے سے قاصر ہے
یونہی پورے ہندستان کے ہر مدارس
کا طائرانہ جائزہ لیا جائے تو حضور
حافظ ملت کی انسانی خدمات کی حقیقت
کا سورج خط نصف النہار پر پہونچ
جائے گا کہ کسی بھی مدرسے میں
باصلاحیت اور ذی استعداد صدر
مدرس یا شیخ الحدیث کا ملنا نہایت
مشکل ہے جن کو حافظ ملت علیہ الرحمہ
سے بالواسطہ یا بلا واسطہ شرف
تلمذ حاصل نہ ہو بلا شبہ یہ وہ حقائق و
شواہد ہیں جو آپ کی علمی خدمات پر
برہان قاطع کی حیثیت رکھتے ہیں اور
جسے دنیا نے بغیر کسی شک و ریب کے
تسلیم بھی کیا۔

۱۔ حافظ ملت افکار اور کارنامے ص ۲۸
۲۔ حافظ ملت نمبر ص ۲۰۴
۳۔ ″ ″ ″ ص ۱۵۱
۴۔ افکار اور کارنامے ص ۳۰
۵۔ ″ ″ ″ ص ۵۰
۶۔ ″ ″ ″ ص ۳۴
۷۔ ″ ″ ″ ص ۶۳

مدیر کی ڈاک

ازامریکہ:

مکرمی مدیر محترم
ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

تسلیمات دافرہ مزاج گرامی!

امید ہے کہ بعافیت ہوں گے.

جب سے امریکہ آیا ہوں صرف ایک مضمون بھیجا ہے۔ یہ دوسرا ہے۔ کاموں کی گہما گہمی کی وجہ سے فرصت کم مل پاتی ہے. اس لئے قلمی خدمات کا رشتہ اس طرح استوار نہیں ہے، جیسا کہ ہندوستان میں تھا۔ تاہم ایسی گھڑی میں جو بھی چند سطریں ہو جائیں وہ بہت ہیں. پھر بھی مصروفیات سے کچھ وقت نکال کر بہرحال لکھا جاتا رہے گا۔ میں نے ایک مضمون جون میں "بہار شریعت کا تجزیہ" بھیجا تھا پتہ نہیں آپ کو ملا بھی کہ نہیں۔ اب تک اسی سلسلے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکی۔ ویسے اگر مل گیا ہے تو نہیا۔ ورنہ اس کی وریجنل کاپی گھر پہ پڑی ہوئی ہے۔ میرے بھتیجے مولانا سراج احمد قادری ہیں ان سے کہہ کر اس کا زیراکس حاصل کیا جا سکتا ہے. اس کو میں نے خاص کر: صدر الشریعہ نمبر" کے لئے لکھا تھا۔ ان کا پتہ پشت پر نقل کر رہا ہوں۔

یہ ایک مضمون "محسوسات ومشاہدات اور المیہ" بھیج رہا ہوں اس کے آخر میں ایک رپورٹ ہے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو یہاں ہیوسٹن میں النور مسجد میں منعقد کیا گیا تھا۔ چونکہ پورے ہیوسٹن میں صرف یہی ایک مسجد اہلسنت وجماعت کی ہے۔ بقیہ آٹھ، دس مسجدیں وہابیوں، دیوبندیوں اور جماعت اسلامی وغیر مقلدوں کی ہیں۔ ابھی حال میں ایک اور چھوٹی سی جگہ حاصل کر کے وہاں النور کی شاخ قائم کی جا رہی ہے چونکہ باطل فرقے اس مسجد کو بالکل پسند نہیں کرتے اس لئے آئے دن ایک ٹکراؤ کی حالت چل رہی ہے۔ تاہم مسجد انتہائی بخوبی چل رہی ہے اور اس کے ملحقہ امور بھی بخوبی انجام پا رہے ہیں، آپ حضرات دعا فرمائیں کہ مسلک حق کا یہ ترجمان ادارہ نظر بد سے سلامت رہے.

اساتذہ گرامی کی خدمات میں سلام عرض کیجئے۔ خصوصاً حضرت عزیز ملت صاحب قبلہ کی خدمت میں اور مخدوم گرامی حضرت مولینا عبدالشکور گیاوی صاحب کی خدمت میں۔ احباب سے سلام کہئے.

فقط والسلام
قمر الحسن مصباحی

ازنچلول گورکھپور

قابل صد احترام حضرت مولانا
مبارک حسین صاحب قبلہ
ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

"اشرفیہ" کا جو شمارہ مجھے دستیاب ہوا وہ اکتوبر ۱۹۹۲ء کا ہے بس اب کیا عرض کروں دل ودماغ باغ باغ ہو گیا پرچہ ہاتھ میں لئے کچھ دیر تک سوچتا رہا نہ جانے کتنے خیالات پردہ ذہن پر آئے اور گئے۔ آپ یقین کیجئے میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا اور پورے ملک کا جائزہ لے رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ کاش اسی طرح کا صاف وستھرا اور علم وادب سے بھرپور علمی جریدہ ہر ادارے سے شائع ہو کر ملک کے طول وعرض میں پہونچے تو آجکل بھڑکتی ہوئی آگ کو گلستاں کا اندازہ دیا جا سکتا ہے سے

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

ماہنامہ اشرفیہ کی لکھائی چھپائی اور مضمون سب اپنی اپنی جگہ دیدہ زیب اور مکمل علم و ادب کا بہترین نمونہ ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اشرفیہ ایک نئے عزم اور ایک نئے حوصلہ کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ جیسے عظیم ادارے سے کسی علمی جریدے کا اسی شان و شوکت کے ساتھ شائع ہونا وقت کا ایک اہم تقاضہ ہے۔ ارکان مجلس ادارت اور اصحاب قلم کی بارات سجائی گئی ہے میری جانب سے مجلس مشاورت کو سلام عرض ہے۔

فقط
محمد علیم الدین منگوروی
عزیزی منزل بچلول بازار
مہراج گنج۔

از مہاراشٹر

محب گرامی!
جناب مبارک حسین مصباحی
ایڈیٹر "ماہنامہ اشرفیہ" مبارکپور اعظم گڑھ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ بخیر ہے امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

تحریر یہ ہے کہ ہم نے چند ایام قبل ایک محبت نامہ کے ذریعہ "ماہنامہ اشرفیہ" کی سالانہ فیس معلوم کی تھی۔ جواب ملنے کے علاوہ ماہ جولائی کا ماہنامہ بھی موصول ہوا کرم فرمائی کا شکریہ۔ رسالہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا! سبحان اللہ جب سے رسالہ آپ کی ادارت میں نکلنے لگا ہے رسالہ کے حسن میں دوبالگی پیدا ہوئی ہے۔ نیز مجھے یہ احساس ہے کہ آپ کے شب و روز کی سعی بلیغ رسالہ کے معیار کو اعلیٰ سے اعلیٰ تر کرنے میں لگی ہوئی ہے انشاء اللہ العزیز آپکی یہ جد و جہد ضرور رنگ لائے گی۔ اور ایک دن "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارکپور کی طرح یہ ماہنامہ بھی زبان زد خاص عام ہو جائے گا۔ بس ذرا ضرورت ہے اس بات کی کہ مضامین کا معیار کچھ ایسا ہو جس سے عوام بھی استفادہ کر سکے اور ارباب علم و دانش نیز اردو ادب کے باذوق حضرات کے لئے بھی دلچسپی کا باعث بن سکے۔

ہماری دلی خواہش ہے کہ ہمارا یہ ماہنامہ اپنے عمدہ مضامین اور شاندار تعلیم سے دین و ملت کی خدمت کرے۔
آمین۔

نیک تمناؤں کے ساتھ
محمد رحیم الدین مصباحی
ضلع تھانہ مہاراشٹر

از لکھنؤ:

حضرت مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی
(ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ)
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

میں بخیر ہوں بفضل ربی وحبیبہ الکریم وبکرم سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ عنہ آپ فرحاں و شاداں ہوں گے۔ اہلسنت و جماعت کا مشہور اور پسندیدہ ماہنامہ اشرفیہ سے علم ہوا کہ آپ قاضی القضاۃ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی عبقری شخصیت کو متعارف کرانے کے لئے ایک ضخیم نمبر نکال رہے ہیں۔ اس خبر سعید سے دل باغ باغ ہو گیا۔

آج ہمارے اسلاف کی خدمات اور کارنامے سے عوام الناس کیا بلکہ علمائے کرام کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد بھی ناآشنا اور غیر متعارف ہیں۔ صرف اور صرف یہی سبب ہے کہ ان عظیم شخصیتوں پر نہ سوانح حیات یا کوئی نمبر نہیں ہے اس لئے اس سبب سے بھی ایک یہ عظیم کارنامہ ماہنامہ اشرفیہ انجام دے رہا ہے۔

آخر میں آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اس طرح آپ سالانہ ایک نمبر ہمارے اسلاف جیسے (حضور صدر الافاضل حضور حجۃ الاسلام، حضور محدث اعظم ہند حضور مفسر اعظم ہند (وغیرہ وغیرہ) یہ نکالتے رہئے یہ اہلسنت و جماعت کے لئے ایک بڑا کارنامہ ہوگا۔ اس خط کے ساتھ میں حضور صدر الشریعہ پر ایک چھوٹا سا مضمون ارسال کر رہا ہوں براہ کرم اگر لائق اشاعت ہو تو حضور صدر الشریعہ کے نمبر میں شائع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں بے حد کرم ہوگا۔

والسلام
محمد شاہد القادری۔ کلکتوی۔

از کراچی

بخدمت اقدس محترم و مکرم
جناب حضرت علامہ قبلہ مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی دامت برکاتہم العالیہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی خیریت مطلوب دموجود
بعدہٗ گذارش ہے کہ حضرت غزالیٔ زماں رازیٔ دوراں علامہ ابو البنجم سید احمد شاہ صاحب کاظمی نور اللہ مرقدہٗ امروہوی ثم ملتانی کی ذات گرامی پر ایک عظیم الشان سوانحی ضخیم کتاب مرتب ہو رہی ہے، جو آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے بیشمار پہلوؤں پر مشتمل ہوگی۔ علمی سوالات کے جوابات مباحث، مناظرے مکالمے، کرامات و واقعات، سیاسی، سماجی مذہبی سرگرمیاں تحریری، تقریری، تبلیغی خدمات، تحفظ مسلک اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ اور اکابر و اصاغر علماء سے ملاقات اور انداز گفتگو سفر و حضر، تعلیم و تدریس تنظیم و جلسہ، اکابرین سے تعلقات اور اور نشست و برخاست، مسائل میں اختلاف رائے اور تحقیق، تبصرہ و تقریظات خطوط وغیرہ وغیرہ۔

آپ سے مؤدبانہ گذارش ہیکہ آپ حضرت علامہ کاظمی صاحب کے بارے میں جو بھی معلومات اور آپ کی تصنیف و شخصیت پر تبصرہ اور تاثرات رکھتے ہوں احاطۂ تحریر میں لاکر ارسال فرماکر مشکور فرمائیں تاکہ جامع سوانحیات میں شامل کرنے کا ہمیں شرف حاصل ہو جائے۔

امید واثق رکھتا ہوں کہ ضرور بالضرور کرم فرمائیں گے۔

والسلام آپکے جواب کا منتظر
خادم اہلسنت
محمد جمیل الرحمٰن سعیدی رضوی غفرلہ
معرفت دارالعلوم امجدیہ
عالمگیر روڈ کراچی ۵ صوبہ سندھ پاکستان۔

ازشاہجہاں پور یوپی

گرامیٔ قدر رئیس التحریر
حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب۔ زاد مجدکم!
سلام ورحمت!
مزاج اطہر!

بحمدہ تعالیٰ ماہنامہ اشرفیہ اب روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ مضامین اور فتاوے کافی وقیع اور معلومات افزا ہوتے ہیں۔ آپکا اداریہ حاصل رسالہ ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کی جادوگری وسحرکاری کو اور بھی فزوں فرمائے آمین

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کردار صحابہ کے آئینے میں کے زیر عنوان ایک تازہ مضمون ارسال خدمت کر رہا ہوں، امید کہ پسند آئے گا۔ کسی قریبی شمارے میں جگہ دے کر مشکور و ممنون فرمائیں اور جواب سے ضرور سرفراز فرمائیں۔

کرم فرما حضرت علامہ محمد احمد صاحب مصباحی و حضرت مولینا عبدالحق رضوی و جملہ اساتذۂ کرام کو سلام عرض فرمادیں۔

فقط والسلام
خیر اندیش
حضور احمد منظری

ازبریلی شریف:

مکرمی ومحترمی
مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی
(مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور)
زید مجدکم!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بریلی شریف تیرہویں صدی سے آج تک علم و ادب اور دین و دانش کا مرکز ہے، اسی سرزمین پر برصغیر کی عبقری شخصیت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے عالم اسلام کی قیادت و رہنمائی کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ اور ان کے تلامذہ، خلفاء اور مستفیدین نے دین وملت کی اشاعت میں ایک اہم کردار انجام دیا ہے۔

آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ ماہنامہ سنی دنیا بریلی جو تاجدار اہلسنت حضور مفتیٔ اعظم علامہ مصطفےٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ کی یاد میں ۱۹۸۳ء کو عالم وجود میں آیا۔ جس نے مختصر سے وقت میں اور وسائل کی کمی کے باوجود اصلاح معاشرہ اور دین و مسلک کی نشر و اشاعت میں وہ عظیم الشان خدمات انجام دیں ہیں کہ اس کے ذکر کے بغیر برصغیر کی علمی اور دینی صحافت ادھوری رہے گی۔

ماہنامہ سنی دنیا، برادر امام احمد رضا، استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں حسن بریلوی کی حیات، کارنامے اور شعری خدمات پر تاریخ ساز نمبر نکالنے کا پہلی بار اعزاز حاصل کر رہا ہے۔

استاذ زمن علامہ حسن رضا بریلوی ہندوپاک کے جلیل القدر عالم

اور عاشق رسول تھے۔ انہوں نے بزم شعر و ادب کو آراستہ کیا۔ امام احمد رضا کے حقیقی بھائی اور شاگرد رشید ہیں۔ مرزا داغ دہلوی سے اصلاح سخن لی، حسرت موہانی نے علامہ حسن رضا خاں کی شعر و شاعری پر مقالہ لکھا۔ آپ سے گزارش ہے کہ اپنی گرانقدر نگارشات اور قلبی تأثرات سے ادارہ کو نوازیں تاکہ استاذ زمن نمبر کو بہتر طریقے سے آپ کی خدمت میں پیش کیا جا سکے۔ امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے۔

فقط والسلام

محمد شہاب الدین رضوی اختری
مدیر اعلیٰ ماہنامہ سنی دنیا
۸۲ سوداگران بریلی شریف (یوپی)

از جمدا شاہی

ضلع بستی (یوپی)

محب مکرم عزیز سعید جناب مولانا مبارک حسین صاحب سلمہ اللہ المولیٰ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دعواتہ وانشرہ!

خدائے بے نیاز کے فضل و کرم سے میں صحت و عافیت کے ساتھ ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آپ مراحل حیات میں ہمیشہ شاد کام اور مسرور و شاداں رہیں۔

آپ صدر الافاضل سیمینار میں اپنا طویل مقالہ وقت کی قلت کی بنا پر مکمل طور سے پیش نہ کر سکے اور حالانکہ مفتی نظام الدین صاحب کی زبانی یہ معلوم ہوا تھا کہ اس مقالے کی تیاریوں میں آپ نے کافی وقت صرف کیا یہ ظاہر ہے کہ ہم جیسے ضعیف العمر لوگ اگر اپنا مضمون نہ سنا سکیں تو افسوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تو آپ تو ابھی جواں سال نوعمر جذبات و احساسات میں اونچے درجے پر فائز ہیں۔

شاید یہ دوسری یا تیسری بار ہے جب اس انداز سے سامعین کے سامنے میرا کوئی مضمون پیش کیا گیا ہو اس لئے مقالات وغیرہ کے پیش کرنے کے سلسلے میں اصولی باتوں کا مجھ کو بھی کوئی علم نہیں ہے لیکن اپنے قیاس سے اتنا ضرور سمجھتا ہوں کہ اگر مقالے طویل ہو جائیں تو اسکی ایک جامع تلخیص چند صفحات پر مشتمل ہونی چاہئے اور اسی کو مجلس مذاکرہ میں سنا دینا چاہئے۔

بہر حال میں آپ کے مقالے سے کافی متاثر ہوا اور آپ کی محنتوں اور کوششوں سے اس بات کی خوشی ہوئی کہ ہماری جماعت میں ایسے نوجوان ابھر رہے ہیں۔ جو اپنی علمی کاوشوں سے لوگوں کو مستفیض فرمائیں گے اور اس سے یہ بھی احساس اجاگر ہوا کہ اپنی جماعت کے نوجوان علماء سے جو میری بدگمانی ہے کہ یہ محنت اور جانفشانی سے کام کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ اسمیں میں مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہوں۔ ایسے جواں سال نوجوان علماء ضرور ہیں جو اپنی ذہنی کاوش سے مستقبل قریب یا بعید میں اپنی جماعت کو بہت کچھ عطا کرنے کی پوزیشن میں ہو جائیں گے۔ بہرحال میں آپ کے مقالے پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اور آپ کی درازئ عمر و خوشحالی کی دعا کرتا ہوں۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگر حضرت مخدوم زادہ محترم عزیز ملت صاحب مد اللہ ظلہ موجود ہوں تو ان کو میری طرف سے سلام پہنچا دیں۔

فقط والدعاء

دعاگو۔ عبد اللہ خاں عزیزی
دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی
بستی۔ یوپی۔

ادارہ

کتاب "رضاخانی مذہب" کے مصنف

مولانا سعید احمد قادری صاحب

سابق دیوبندی سنی بریلوی ہوگئے

علامہ سعید احمد قادری نے ایک بہت بڑا اشتہار چھپوا کر ان الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ "پچیس سال دیوبندی مذہب میں رہ کر ان کے عقائد کی ترجمانی کرتا رہا ہوں آخر اللہ عز و جل کے فضل و کرم اور محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نگاہ کرم سے مناظر اسلام علامہ پیر مولانا محمد عبد العزیز نوری مہتمم مرکزی دار العلوم غوثیہ حویلی لکھا (ضلع اوکاڑہ) کے ساتھ تمام متنازعہ فیہ عبارات پر گفتگو ہوتی رہی بالآخر علامہ عبد العزیز نوری صاحب نے میری رہنمائی فرمائی جس سے میں مطمئن ہوگیا اب مجھے یقین ہوچکا ہے کہ دیوبندیوں کی تمام عبارات کفریہ اور غلط ہیں، میری جتنی بھی تصانیف ہیں میں نے ان کو منسوخ کر دیا ہے آج سے میری کسی تصنیف کو کوئی دیوبندی نہ چھاپے اور نہ اس کا حوالہ دے تمام کفریہ عبارات اور اپنی مطبوعہ کتب کو میں نے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہے اور عقیدہ حق سنی بریلوی کو دل جان سے قبول کر کے علماء حق کا مسلک بریلوی کے ساتھ شامل ہونیکا اعلان کر دیا ہے اور دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نور مجسم محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اولیاء کرام کے صدقے معاف فرما کر اپنی امان میں رکھے اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مناظر اسلام حضرت علامہ محمد عبد العزیز نوری صاحب کے علم و عمل اور عمر میں برکت فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہم پر قائم و دائم فرمائے۔ آمین۔

آئندہ کے لئے میں اپنے بیانات و پروگراموں میں دیوبندیوں کے عقائد کی بیخ کنی کروں گا تاکہ مسلمانوں کو حق و باطل کا پتہ چل سکے"

بحوالہ ماہنامہ "جہان رضا" لاہور جلد ۱ شمارہ ۱۲ ماہ ستمبر ۱۹۹۲ء ص ۲۱

منجانب (مولانا) سعید احمد قادری۔

بنارس میں

جشن غوث اعظم

۴ اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز اتوار بعد نماز مغرب مخیر دین و ملت الحاج عبد الحکیم صاحب عزیزی بنارسی کے دولت کدہ پر بڑے تزک و احتشام اور عقیدت و احترام کے ساتھ جشن غوث اعظم رضی اللہ منعقد ہوا۔ عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے صدارت فرمائی اور شاعر اسلام جناب ظفر بنارسی صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ جلسہ میں مقامی و بیرونی علماء کرام اور شعراء عظام کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی واعظین اسلام نے حضرت غوث اعظم کی حیات و سیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ کی گرانقدر تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور ان پر عمل کرنے پر زور دیا۔ شعراء کی ایک لمبی تعداد نے نہیں والہانہ انداز میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

بعض شرکاء اجلاس علماء و شعراء کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

- حضرت مولانا عبد المبین نعمانی،
- مولانا عبد المجتبیٰ رضوی
- مولانا عبد الہادی خاں جامعہ فاروقیہ بنارس
- مولانا عبد الخالق رضوی مدرسہ عربیہ مرزاپور
- مولانا نظم علی خاں مرزاپوری

- قاری صدیق عالم صاحب جامعہ فاروقیہ بنارس
- مولانا اشفاق احمد ضیائی
- مولانا رئیس احمد گھوسوی
- صادق بنارسی
- نظام بنارسی
- اظہار احمد بنارسی

اور راقم مبارک حسین مصباحی تقریباً دس بجے شب صلوٰۃ و سلام اور حضرت عزیز ملت کی دعا، اور شجرہ خوانی پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ نماز عشاء ادا کی گئی اور پھر صاحب خانہ حاجی عبد الحکیم صاحب کی جانب سے تمام سامعین اور علماء و شعراء کو پر تکلف عشائیہ دیا گیا۔ (ادارہ)

حضرت قاری اسلام اللہ صاحب کے والد گرامی انتقال فرما گئے۔

شہر اعظم گڑھ محلہ پہاڑ پور کے ایک پرہیزگار متدین سنی جناب الحاج رحمت اللہ صاحب مرحوم کا ایک طویل علالت کے بعد ۱۷ر اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز سنیچر قبل اذان فجر بمبئی میں انتقال ہو گیا۔ وہاں سنی درگاہ مسجد پریل کے وسیع صحن میں ایک جم غفیر نے جس میں بمبئی کے ائمہ مساجد و اساتذہ مدارس بھی شامل ہیں۔ اشرف العلماء حضرت علامہ الحاج سید حامد اشرف صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی اقتداء میں ان کی نماز جنازہ ادا کی پھر معقول انتظام کے ساتھ ان کی لاش ان کے وطن مالوف اعظم گڑھ دوشنبہ کی صبح ساڑھے نو بجے لائی گئی۔ یہاں سی روز بعد نماز ظہر محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفٰے صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں کثیر اعزہ و اقربہ کے ساتھ اساتذہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اور دیگر علماء نے بھی شرکت کی۔ تدفین کے بعد علماء کرام نے خصوصاً مرحوم کے لئے عذاب قبر سے نجات اور مغفرت کی دعائیں کیں۔

حاجی صاحب مرحوم سنیت کا درد رکھتے تھے اس کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہتے چنانچہ جامعہ اشرفیہ کی شاخ قائم کرنے کے لئے شہر اعظم گڑھ میں ایک دو منزلہ بلڈنگ کی خرید میں ان کی جد و جہد کا کافی دخل رہا ہے۔ اور خود ذاتی عمل کا یہ حال تھا کہ شدید علالت میں بغرض عیادت میں حاضر ہوتا رہتا تھا تو اکثر ملاقات کی کوشش کرتے اور نماز کبھی ترک نہ کرتے بیٹھے، لیٹے جیسے بھی میسر ہوتا ادا کرتے۔

اے خدا! انھیں غریق رحمت فرما اور اپنے جوار قدس میں مقام نصیب فرما۔ اخیر میں ہم حاجی صاحب مرحوم کے لخت جگر حضرت مولانا قاری محمد اسلام اللہ صاحب عزیزی مصباحی زید مجدہ کو تعزیت پیش کرتے ہوئے بارگاہ رب صمد میں صبر و شکر کے توفیق کی التجا کرتے ہیں۔ حضرت قاری صاحب موصوف بمبئی کے علماء و ائمہ میں محتاج تعارف نہیں ہیں۔ حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز کے دربار علم و فضل سے خصوصی فیض حاصل کرنے والوں میں آپ ایک ہیں۔

شمس الہدیٰ خان
خادم جامعہ اشرفیہ مبارکپور

حضرت عزیز ملت کا پیغام

شہر فیض آباد کا مرکزی ادارہ دار العلوم بہار شاہ کا سولہواں سالانہ عظیم الشان اجلاس بموقعہ یوم تاسیس اپنی سابقہ روایت کے مطابق یکم اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز جمعرات منعقد ہوا جس میں ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے سربراہ اعلیٰ عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ نے دینی علوم

پر تقریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ علم نبیوں کی میراث ہے علم انسان کی نگہبانی کرتا ہے خدا تعالیٰ علم دین صرف اسی کو عطا کرتا ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے علم وہ مایہ ہے جو صرف کرنے سے بڑھتا جاتا ہے صاحب علم کو ہر دور میں عظمت و بزرگی اور قدر و منزلت سے یاد کیا جاتا ہے۔ علم والا قیامت کے دن گنہگاروں کی شفاعت کرے گا علم والے کا تذکرہ مرنے کے بعد بھی کیا جاتا ہے علم والے کے دوست بکثرت ہوتے ہیں۔ علم کبھی کہنہ نہیں ہوتا ہے۔ علم دل کو روشن کرتا ہے۔ جو شخص صاحب علم کی صحبت میں بیٹھے گا اس میں علم و پرہیزگاری زیادہ ہوگی اور ہمیشہ اس کے دل میں خوف خدا رہے گا۔ مدارس عربیہ کا قیام اور اس کی خدمات اس دور میں سب سے بڑا جہاد ہے۔ یہ دور علم اور علماء بیزاری کا آگیا ہے۔ انسان دنیا کے چکر میں تیز رفتاری سے سفر کر رہا ہے۔ نہ اسے موت یاد ہے اور نہ ہی حساب و کتاب کی فکر بلکہ اسے صرف لاکھ کو کروڑ کرنے کی فکر لاحق ہے۔ ایسے ماحول میں علم دین کے قلعہ تعمیر کرنا اور علم دین کو قوم کے نونہالوں تک پہنچانا خدا کی خوشنودی کا بہترین ذریعہ ہے۔

اس عظیم الشان اجلاس میں متعدد علمائے کرام اور شعراء عظام شریک ہوئے اور سبھوں نے اپنے اچھے پیغام کو قوم تک پہنچایا۔

حضرت قاری عبد الجلیل پیغمبری نگری، حضرت قمر ماہری نے نظامت فرمائی۔ دار العلوم کے پرنسپل مولانا انوار احمد نعیمی جلالپوری نے مدرسے کی روداد اور رپورٹ مختصر الفاظ میں پیش کی ادارے سے فارغ ہونے والے علماء و حفاظ کی رسم دستار بندی ادا کی گئی۔

محمد قاسم انصاری (کلرک)

آل انڈیا اہلسنت کونسل کا قیام

مٹانے کیلئے ہر دور میں رشدی و نجدی کو رضا مصطفیٰ لیکر رضا کی ٹیم آئی ہے

آل انڈیا اہل سنت کونسل کے قیام کا اولین مقصد یہ ہے کہ امام احمد رضا کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔ اور مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کی جائے۔ اس کام کے لئے ضروری ہے کہ امام احمد رضا کی کتابوں کو مختلف زبانوں (اردو، ہندی، انگریزی) میں چھپوا کر مفت تقسیم کیا جائے۔

اگر یہ کام ہو گیا تو وہ دن دور نہیں جب کہ پوری دنیا پکار اٹھے گی:

اگلوں نے لکھا ہے بہت کچھ علم دین پر
جو کچھ اس صدی میں ہے تنہا رضا کا ہے

دوسرا مقصد یہ ہے کہ علماء اہلسنت کی کتابیں بھی مختلف زبانوں میں چھپوا کر ہر طبقہ کے ذہنوں سے فاسد خیالات کو دور کیا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ لوگ کثیر تعداد میں آل انڈیا اہلسنت کونسل کے ممبر بنیں اور دوسروں کو بھی بنائیں۔ تاکہ کتابوں کے چھپنے اور تعلیمات کو عام کرنے میں آسانی ہو نیز قوم مسلم کے مخیر حضرات دل کھول کر حصہ لیں۔ آل انڈیا اہلسنت کونسل کا منصوبہ بہت بڑا ہے جس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت کسی ایک فرد میں نہیں ہے۔

آل انڈیا اہلسنت کونسل کے منصوبے

آل انڈیا اہلسنت کونسل کی مستقل عمارت ہو جسمیں "میٹنگ ہال" "آل انڈیا مرکزی دفتر" "دار التصنیف" "ادارہ تحقیقات، جسمیں امام احمد رضا اور دیگر علماء اہلسنت پر تحقیقی کام ہو" "لائبریری" "ترجمان خانہ" "مہمان روم" ہر صوبہ اور ہر ضلع میں دفاتر ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ایک ایسا پریس بھی ہو جس میں مختلف زبانوں میں کتابیں شائع کی جائیں اور مجدد اعظم رسالہ کا اجراء۔

غلام رسول رضوی
صدر آل انڈیا اہلسنت کونسل
پلاٹ نمبر ۱۱، سراج نگر
کالونی رائے بریلی۔ یوپی۔

اہلسنت کے مایۂ ناز عالم دین

مفتی وقار الدین کا انتقال

یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ ۲۶ رستمبر ۱۹۹۳ء کو

اہلسنت کے جید عالم دین، شیخ الحدیث والتفسیر علامہ مفتی محمد وقار الدین رضوی کراچی میں انتقال فرما گئے مفتی وقار الدین صاحب مرحوم کا شمار برصغیر کے سرکردہ علماء میں ہوتا تھا۔ موصوف مرحوم کے انتقال سے دنیا کیلئے اسنیت سوگوار ہے۔ آپ ۲۴ر صفر المظفر ۱۳۳۳ھ میں موضع کھریا ضلع پیلی بھیت کے ایک شیخ گھرانے میں پیدا ہوئے۔

۱۹۳۰ء کو مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں سے فراغت حاصل کی۔ آپ نے اپنے علم سے خلق خدا کو نفع پہونچایا۔ ۱۹۳۸ء سے ۴۷ء تک مدرسہ منظر اسلام میں منصب تدریس پر فائز رہے۔ ۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۱ء تک چاٹگام بنگلہ دیش کے جامعہ احمدیہ سنیہ میں علوم اسلام کی تدریس فرماتے رہے۔ ۱۹۶۲ء سے دارالعلوم امجدیہ کراچی میں خدمت دین میں مشغول رہے وہاں پر ایک استاذ حدیث تھے۔ ہندوستان میں قیام کے دوران مختلف شہروں اور پاکستان کے گوشے گوشے میں تبلیغ دین کی خاطر دورے فرماتے رہے۔ مفتی وقار الدین رضوی نے ۱۹۳۰ء میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضاخاں ابن اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخاں کے دست حق پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا نوری سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ گویا حضرت کی شخصیت مجمع کمالات تھی۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان اور تلامذہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے (آمین) مفتی اعظم علامہ اختر رضاخاں ازہری سجادہ نشین بریلی کے دولت کدے پر محفل ایصال ثواب منعقد کی گئی حضرت علامہ ازہری نے دعاء مغفرت فرمائی۔

از غمزدہ محمد شہاب الدین [illegible] غفرلہ
ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی۔

نوٹ

تفصیلی حالات آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں۔

انیسواں سہ روزہ سالانہ جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شہر بنارس مدنپورہ مالتی باغ میں امسال بھی مرکزی تنظیم اہلسنت کی جانب سے سہ روزہ اجتماع منعقد ہوا اس سہ روزہ اجلاس میں ضلع بنارس اور اس کے آس پاس اضلاع کے فدایان رسول نیز ملک کے نامی گرامی علمائے کرام وشعراء اسلام نے شرکت فرمائی

پہلا اجلاس: بتاریخ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۹۲ء بعد نماز عشاء۔ زیر صدارت حضرت علامہ محمد صفی اللہ صاحب قادری مفتی بنارس جلسہ کا آغاز قاری محمد ساجد علی صاحب رحمانی کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد جناب عرفان بنارسی وجناب صادق بنارسی نے نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ مولانا محمد آفاق صاحب نے اپنی مختصر مگر جامع تقریر سے عوام کو مسرور کیا۔ جناب ریاض بنارسی نے نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ حضرت مولانا محمد ہارون رشید صاحب نے تزکیہ نفس کے عنوان پر جامع تقریر فرمائی۔ جلسہ کی آخری تقریر حضرت مولانا شمیم احمد صاحب خیرآبادی نے اسلام اور انسانی اہمیت کے موضوع پر بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ ۲½ بجے شب صلوٰۃ و سلام و حضرت علامہ سید شاہ محمد ابوالمکارم صاحب سجادہ نشین خانقاہ فریدیہ پھلواری شریف کی دعاء پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

دوسرا اجلاس: بتاریخ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ ہوا۔ تلاوت و نعتیہ کلام کے بعد مولانا غلام نبی صاحب ضیائی بنارسی نے اپنی خطابت سے حاضرین جلسہ کے قلوب کو منور فرمایا۔ جناب ریاض بنارسی نے وجد آفریں ترنم میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اب مولانا محمد صفی اللہ صاحب نے خطیب عصر حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب اشرفی جاجمؤ کانپور کا اعلان کیا۔ مولانا نے "اسلام میں عورت کا مقام" کے عنوان پر نہایت عمدہ تقریر فرمائی۔ اس کے بعد ہندوستان کے مشہور شاعر جناب جمیل خیرآبادی نے نعت پیش کی۔ اجلاس کے آخری مقرر حضرت مولانا نصیب العین صاحب چتر ویدی سیوان نے اپنے مخصوص انداز میں عوام سے خطاب فرمایا ۲½ بجے شب ظفر بنارسی نے صلوٰۃ و سلام پیش کیا۔ اور دعاء کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

تیسرا اجلاس: بتاریخ ۱۷ر اکتوبر

۱۹۹۲ء بروز سنیچر بعد نماز عشاء تلاوت
قرآن پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔
آج کے اجلاس میں فرزندان توحید و
رسالت کے امنڈتے ہوئے سیلاب
سے جلسہ گاہ میں تل دھرنے کی جگہ
نہ تھی۔ جناب اظہار بنارسی۔ جناب
احمد حنیفی۔ جناب سراج بنارسی و
نظام بنارسی نے نذرانۂ عقیدت
پیش کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا
محمد حسن صاحب اشرفی نے تقریر
فرمائی۔ اب مداح رسول جناب
تبسم عزیزی مبارکپوری نے اپنی
مترنم آواز میں نعت پیش کی۔ حضرت
مولانا عبدالمصطفےٰ صاحب صدیقی
ردولی شریف نے حاضرین جلسہ کو
خطاب کیا۔ مفکر اسلام حضرت علامہ
ظفر ادیبی صاحب مبارکپوری تشریف
لائے اور اسلامی نظام کی اہمیت پر
دو گھنٹہ مدلل و مفصل تقریر کی۔ اب
دوبارہ تبسم عزیزی نے نعتیہ کلام پیش
کیا۔ مجاہد دوراں حضرت علامہ سید
مظفر حسین صاحب کچھوچھوی کے نام
کا اعلان کیا گیا۔ حضرت مولانا نے
بعنوان "اتحاد و اتفاق" اور پیغمبر
اسلام کا سچا و پکا وفادار ہونے کی
تلقین فرمائی اور کہا کہ اگر آج کا
مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن جائے
تو آج کی تمام تر مصیبتوں کا ازالہ
ہو جائے۔ اور مسلمانوں سے مسجدیں
آباد کرنے کی سخت تلقین کی۔ دوران
جلسہ صدر تنظیم نے قومی و ملی رہنما
جناب ڈاکٹر محمد انیس صاحب اور تنظیم
کے اہم رکن جناب عبدالرزاق صاحب
اشرفی جناب منہاج الدین صاحب بخشی
جناب نذیر احمد صاحب اشرفی جناب
عبدالماجد صاحب اشرفی جناب
کبیر اشرفی صاحب مرحومین کے لئے
مجمع نے مغفرت کے لئے دعاء کی
اور ۳ ½ بجے شب صلوٰۃ و سلام
اور دعاء پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

ناظم نشریات
عبدالقدیر اشرفی

حافظ ملت
رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

نتیجۂ فکر
اشہر حمیدی فیض آبادی
ہینڈ کارپوریشن مہنداول بستی

*

جینے کا انداز سکھایا میرے حافظ ملت نے
سنت کو بدعت سے بچایا میرے حافظ ملت نے
روز قیامت تک مہکیں گے اس گلشن کے پھول سبھی
دین کا ایسا باغ لگایا میرے حافظ ملت نے
تعلیمی شمشیر لئے اور تیغ عمل بھی ساتھ میں ہے
باطل سے یوں لڑنا بتایا میرے حافظ ملت نے
دین کے سچے رہبر تھے وہ اور ولی کامل بھی
گمراہی سے سب کو بچایا میرے حافظ ملت نے
ان کے یہاں امراء اور غرباء کی کوئی تخصیص نہیں
سب پر یکساں پیار لٹایا میرے حافظ ملت نے
زہرہ کو اشہر ناز ہے جن پر ذات ہے حافظ ملت کی
عشق ہے کیا یہ کرکے دکھایا میرے حافظ ملت نے

جشن
عید میلاد النبی
نئی دہلی

بتاریخ ۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۹۲ء بمقام مسجد رضا
اسٹریٹ ذاکر نگر نئی دہلی حضرت مولانا
محمد یٰسین اختر مصباحی بانی و مہتمم
دارالقلم دہلی کی صدارت میں ایک
عظیم الشان جلسۂ عید میلاد النبی صلی اللہ
علیہ وسلم کا انعقاد ہوا۔ جسے مندرجہ
ذیل علماء کرام و نعت خواں حضرات
نے اپنے خطاب اور نعت خوانی سے
مستفید و محظوظ فرمایا۔

حضرت علامہ ارشد القادری
حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی ایم پی
حضرت مولانا ابوالحقانی محمد حسین صدیقی
حضرت مولانا غلام یحییٰ انجم۔
مولانا نعیم الدین رضوی۔
مولانا شہاب الدین رضوی
مناظر حسین بدایونی۔
حافظ غلام یٰسین وغیرہم۔

اناؤنسری کے فرائض مولانا
علی احمد سیوانی نے انجام دئے۔
نماز عشاء کے بعد سے ڈھائی
بجے رات تک جلسہ کی کارروائی چلتی
رہی۔ پھر صلوٰۃ و سلام و دعاء پر
اس کا اختتام ہوا۔ انجمن رضا ذاکر
نگر کا یہ نواں سالانہ جلسۂ عید میلاد النبی
تھا جو کامیابی سے ہمکنار رہا۔

المعلن: ضیا زاہد صدیقی و عطاء الرحمٰن
صدر و سکریٹری انجمن رضا ذاکر نگر نئی دہلی ۲۵

آہ! الحاج صابر علی صاحب

۲۸ستمبر ۱۹۹۲ء کو ہندوستان کی مشہور عربی درسگاہ دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف کے مجلس عاملہ کے رکن الحاج صابر علی صاحب کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ دار العلوم کی وسیع فیلڈ میں ہوئی۔ تجہیز وتکفین وتدفین کی تمام رسومات میں دار العلوم کے اساتذہ وطلبہ شریک رہے اور شہزادۂ شعیب الاولیا، حضرت علامہ الحاج الشاہ غلام عبد القادر صاحب قبلہ علوی سجادہ نشین خانقاہ فیض الرسول وناظم اعلیٰ دار العلوم فیض الرسول نے تعزیتی جلسے میں فرمایا کہ یہ صرف ان ہی کے خاندان کا نقصان نہیں ہے بلکہ دار العلوم کا ایک زبردست نقصان ہے۔ پروردگار عالم دار العلوم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ قارئین سے ایصال ثواب کی اپیل ہے۔

غلام عبد القادر چشتی
نائب مہتمم دار العلوم فیض الرسول
براؤں شریف
سدھارتھ نگر

بنارس میں نعتیہ مقابلہ

ورلڈ اسلامک مشن کا عظیم الشان نعتیہ انعامی مقابلہ اختتام پذیر۔ مورخہ ۲۷ ربیع الاول مطابق ۲۶ستمبر ۱۹۹۲ء کو بنیا باغ بنارس کے مشرقی جانب مقابلہ کا اہتمام کیا گیا۔ مدارس اسلامیہ کے کثیر اساتذہ اور عوام کی بھاری بھیڑ نے شرکت فرمائی۔ رات کے ۹ بجے سے یہ پروگرام شروع ہو کر صبح کے ۹ بجے تک جاری رہا۔ نماز فجر کی مہلت ایک گھنٹے کی دی گئی۔ جناب قاری غلام حیدر صاحب کی تلاوت سے اس روحانی بزم کا آغاز ہوا۔ اور مولوی منیر عالم کی نعت خوانی کے بعد یکے بعد دیگرے انجمنوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس نعتیہ مقابلہ کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر انجمن امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت مولانا شاہ مفتی اعظم ہند نوری قدس سرہٗ یا استاذ زمن مولانا شاہ حسن رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ہی کلام پڑھیں گی۔ بفضلہ تعالیٰ ۳۶ انجمنوں نے نمبر حاصل کئے اور ۳۱ انجمنوں نے شرکت کی۔ حلقہ چوک بنارس میں پہلی بار عوامی سطح پر علمائے اہلسنت کے کلام کو پیش کیا گیا جسے بے حد مقبولیت ہوئی اور کافی پسند کیا گیا۔

شریک مقابلہ: اول مقام انجمن فیضان رضا جامعہ فاروقیہ ریوڑی تالاب بنارس۔

دوم۔ انجمن فلاح دین نئی سڑک بنارس۔

سوم: انجمن صدائے حق پیرا علیٰ باباجی باغ بنارس۔

چہارم: انجمن فاروقیہ بنیا باغ بنارس۔

فیصل میں جناب مولانا تیسیر الدین صاحب پرنسپل مدرسہ مجیدیہ سرائے ہڑھا بنارس وجناب مولانا قاری صدیق عالم صاحب نائب پرنسپل جامعہ فاروقیہ ریوڑی تالاب بنارس۔ ان دونوں حضرات کو مقرر کیا گیا تھا۔

بقیہ ساری انجمنوں کو مشن کی جانب سے مشن کے مونوگرام کی چھوٹی شیلڈ دی گئی اور ساری انجمنوں کو انعام کے طور پر مشن کی مطبوعہ کتابیں اور رسائل دئے گئے اور حدائق بخشش، سامان بخشش سفینۂ بخشش بھی عطا کیا گیا۔

۹ بجے صبح مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام پڑھا گیا اور مولانا قاری صدیق عالم صاحب کی دعا پر اس تاریخ ساز روحانی بزم کا اختتام ہوا۔ فقط۔

عبد المجتبیٰ رضوی
جنرل سکریٹری
ورلڈ اسلامک مشن ضلعی شاخ بنارس

مظلومین سیتامڑھی کیلئے
ادارۂ شرعیہ بہار کی

دردمندانہ اپیل

خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں دینی ہمدردی کا یہ جذبہ ابھی تک موجود ہے کہ ہر فساد کے موقع پر وہ اپنے مظلوم بھائیوں کیلئے دل کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

سیتامڑھی کے حالیہ فساد میں دس پندرہ کلومیٹر کے اندر کئی ہزار مسلمان جس بری طرح تباہ وبرباد

کیے گئے ہیں وہ دردناک منظر دیکھ کر ہماری آنکھوں سے خون ٹپک پڑا پندرہ چھوٹی بڑی بستیوں میں مسلمانوں کے کئی سو مکانات راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔

ان کی زندگی بھر کا اثاثہ لٹ گیا۔ اب وہ دانے دانے کے محتاج ہیں۔ کھلے آسمان کے نیچے سردی کی راتوں میں ٹھٹھر رہے ہیں۔ اس وقت انھیں فوری امداد کی ضرورت ہے۔

ادارہ شرعیہ بہار کی طرف سے وہاں مرغیا چک میں ریلیف سینٹر قائم کر دیا گیا ہے۔ جہاں سے مظلومین کے درمیان امدادی سامان تقسیم کیا جا رہا ہے۔

اس وقت انھیں کمبل چادر، بستر، کپڑے، برتن، لالٹین سامان خوراک اور جھونپڑی بنانے کے لئے ضروری ساز و سامان کی سخت ضرورت ہے۔

اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے آپ کے دل میں کچھ بھی ہمدردی کا جذبہ موجود ہو تو فوراً اٹھئے اور اپنے حلقۂ اثر سے امدادی رقوم جمع کر کے اس پتے پر ارسال کریں۔

ناظم اعلیٰ ادارہ شرعیہ بہار

سلطان گنج پٹنہ ۶

ڈرافٹ اس نام سے بنایا جائے گا

ادارہ شرعیہ ریلیف سنٹر

EDARA-E-SHARIA. RELIEF. CENTER

ارشد القادری

سربراہ۔ ادارۂ شرعیہ بہار پٹنہ ۵

مولانا حشمت علی لکھنوی ایک تحقیقی مطالعہ

۲۲، ۲۳ صفر المظفر کو پیلی بھیت میں ہر سال حضور شیر بیشۂ سنت مظہر اعلیٰ حضرت مناظر اعظم حضرت علامہ مفتی الحاج حافظ و قاری مولانا حشمت علی خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس سراپا قدس شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی ۲۲، ۲۳ صفر مطابق ۲۲، ۲۳ اگست ۱۹۹۲ء کو لاکھوں معتقدین و مریدین نے عرس میں شرکت کی اور خراجِ عقیدت پیش کیا۔

حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے شدھی تحریک کے پُر فتن دور میں شبانہ روز تبلیغ دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کر کے لاکھوں مسلمانوں کے دین و ایمان کو بچایا۔ جس کے دستاویزات جماعت رضائے مصطفےٰ کے فائلوں میں اب بھی محفوظ ہیں اس طرح انھوں نے اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ احقاق حق اور ابطال باطل میں گزارا ان کی گوناگوں صلاحیت کا اعتراف ارباب علم و فضل نے یکساں طور پر کیا ہے۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے شیر بیشۂ سنت کے حالات و کردار کے متعلق پانچ ابواب پر مشتمل ۳۵۲ صفحات پر "مولانا حشمت علی لکھنوی۔ ایک تحقیقی مطالعہ کے نام سے ایک اہم دستاویز مرتب کی ہے جس کی رسم اجرا صاحب سجادہ آستانہ حشمتیہ حضرت علامہ صوفی باصفا الحاج مفتی محمد شاہد رضا قادری عمت فیوضہم المبارکہ کے مقدس ہاتھوں ۲۲ اگست کی شب میں لاکھوں معتقدین کے جلسۂ عام میں ہوئی۔

صاحب سجادہ نے ڈاکٹر انجم صاحب کی اس تصنیف کو وقت کی اہم ضرورت سے تعبیر کی۔ اور فرمایا اس موضوع پر ڈاکٹر انجم کی یہ تصنیف سند کا درجہ رکھتی ہے۔

شہزادۂ شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا محمد ادریس رضا اور حضرت مولانا معصوم الرضا نے بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کی اس کاوش کو سراہتے ہوئے صحت و سلامتی کے ساتھ طول عمر کی دعاء فرمائی۔ دیگر مبصرین میں مولانا غلام محی الدین سبحانی کا نام قابل ذکر ہے۔ انھوں نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شیر بیشۂ سنت کی زندگی اور حیرت انگیز کارناموں کو سمجھنے کیلئے ڈاکٹر انجم صاحب کی یہ کتاب بلاشبہ خضر راہ کا کام دیگی۔

اراکین عرس کمیٹی

عرش حشمتی

حشمت نگر پیلی بھیت

انجمن اہلسنت و اشرفی دار المطالعہ کا اٹھاونواں جلسہ و جلوس

حسب روایات سابقہ امسال بھی ۱۱ ربیع الاوّل ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۹۲ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء بمقام گولہ بازار، مبارکپور۔ زیر صدارت پیکر زہد و تقویٰ حضرت علامہ عزیز ملت الحاج الشاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انعقاد ہوا۔

محفل کا آغاز قرآن حکیم کی تلاوت سے ہوا۔ اور نظامت کے فرائض مولوی محمد مذکر گونڈوی نے انجام دیئے۔ بلبل باغ رسالت محمد اسلم نیپالی اور طوطیٔ گلشن مدینہ حضرت مولانا سید محمد علی محضر کلکنوری نے عشق رسول میں ڈوبی ہوئی نعت رسول سے سامعین کے قلوب کو محظوظ کیا عزیز ملت حضرت علامہ و مولانا الحاج الشاہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ نے ایک اصلاحی اور بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ بعدہ خطیب الہند حضرت مولانا علی احمد بسمل عزیزی پرنسپل دار العلوم احمدیہ معراج العلوم دھرم سنگھوا بازار ضلع سدھارتھ نگر نے خلق عظیم پر ولولہ انگیز خطاب سے سامعین کے قلوب کو جیت لیا۔ اور حضرت مولانا رجب علی صاحب بلرام پوری دار العلوم حنفیہ غوثیہ بجرڈیہہ بنارس نے محبت رسول پر انقلاب آفریں تقریر سے سامعین کے قلوب میں عشق رسول کا چراغ روشن کر دیا بعدہ صلوٰۃ وسلام پر محفل کا اختتام ہوا۔

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ کو صبح ۷ بجے سے دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کے گیٹ سے قصبہ کی تمام انجمنوں نے ایک شاندار جلوس نکالا اور جلوس پورے قصبہ میں جھنڈے اور جھنڈیوں کے ساتھ گشت کرتا ہوا ۸½ بجے گولہ بازار مبارک پور کے اسٹیج پر صلوٰۃ وسلام پر اختتام پذیر ہوا۔

اور بعد نماز جمعہ طلبائے الجامعۃ الاشرفیہ نے انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ روضۂ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے جھنڈوں کے ساتھ ایک جلوس نکالا اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا طلبا کا یہ جلوس نعرۂ ہائے تکبیر و رسالت کی صدائیں بلند کرتا ہوا اور نعت رسول کے نغموں سے پوری فضا کو معطر کرتا ہوا دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کے گیٹ پر صلوٰۃ وسلام پر اختتام پذیر ہوا۔

المعلن
محمد اسلم بستوی (جامعہ اشرفیہ)

(بقیہ ص ۱۸ کا

حافظ ملت ایک جہان کمالات و محاسن

سے بہت پہلے اس وقت کہا تھا جب حافظ ملت، مجاہد ملت، اور مفتی اعظم علیہم الرحمہ باحیات تھے کہ "ان تینوں بزرگوں سے تقویٰ کا بھرم باقی ہے۔ اگر کوئی تقویٰ اور اصحاب تقویٰ کو دیکھنا چاہے تو ان حضرات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔"

اب اگر میں یہ کہوں تو شاید بیجا نہ ہو کہ افسوس! ان حضرات کی روحوں کے ساتھ ہمارا یہ افتخار و اعزاز بھی جاتا رہا اب کون ہے جس کے قد موزوں پر نیابت رسول کی قبا راست کہی جائے؟ جمال تقویٰ کا طالب اپنے دیدار کی تشنگی کہاں دور کرے علم و عمل کامل کس گلی میں تلاش کیا جائے؟ عزیمت و استقامت اور ورع و تقویٰ کا نازک پیرہن بڑی حسرت و امید کے عالم میں کسی قیامت زیبا کا منتظر ہے۔ اتاح اللہ رجالاً یحققون آمالہ۔

محمد احمد اعظمی مصباحی
۲۸ 5/11 ھ
۱۷ 12/9 ء

نوتن کیمیکل ورکس
سکندر پور ضلع بلیا (یوپی)
برانچ آفس:- غلہ منڈی گاندھی نگر بستی ـــ یوپی
بھارت سرکار
سے
رجسٹرڈ شدہ
امراولی
ٹریڈ مارکہ
کی تیار کردہ درج ذیل چیزیں
ہمیشہ
استعمال کریں!
امراولی ترپھلا
خوشبودار ہیر آئل
سردرد۔ سملبائی۔ چکر اور بال کو ہمیشہ کالا ملائم بنائے رکھنے میں مفید
راحت دماغ
ہیر آئل
برف جیسی ٹھنڈک، تراوٹ وتازگی کے لئے سردرد میں نہایت مفید
روغن احمر خاص
چوٹ۔ موچ۔ سوجن۔ درد۔ بیار۔ گٹھیا۔ بچوں کے سوکھا روگ و جسم کی کمزوری میں مفید ہے۔
کھانے پینے کے سامانوں کو ذائقہ دار وخوشبودار بنانے کے لئے
امراولی روح عرق کیوڑہ و امراولی روح عرق گلاب
ماحول کو باغ و بہار، روح کو سکون و قرار اور شام جان کو معطر بنانے کے لئے مندرجہ ذیل خوشبو کا استعمال کریں:
امراولی جنت الفردوس۔ اپہار۔ منورنجن۔ عطر مجموعہ
عطر گلاب۔ انٹیمیٹ